جوہر پبلیکیشنز

تاریخ آزاد پٹھان

جلد دویم

★

مؤلف

الہ بخش یوسفی

—

پیش لفظ

مسٹر جسٹس حبیب اللہ خان

★

محمد علی ایجوکیشنل سوسائٹی ۲۳ یوسفی ہاؤس تین ہٹی کراچی ۵

تاریخ آزاد پٹھان
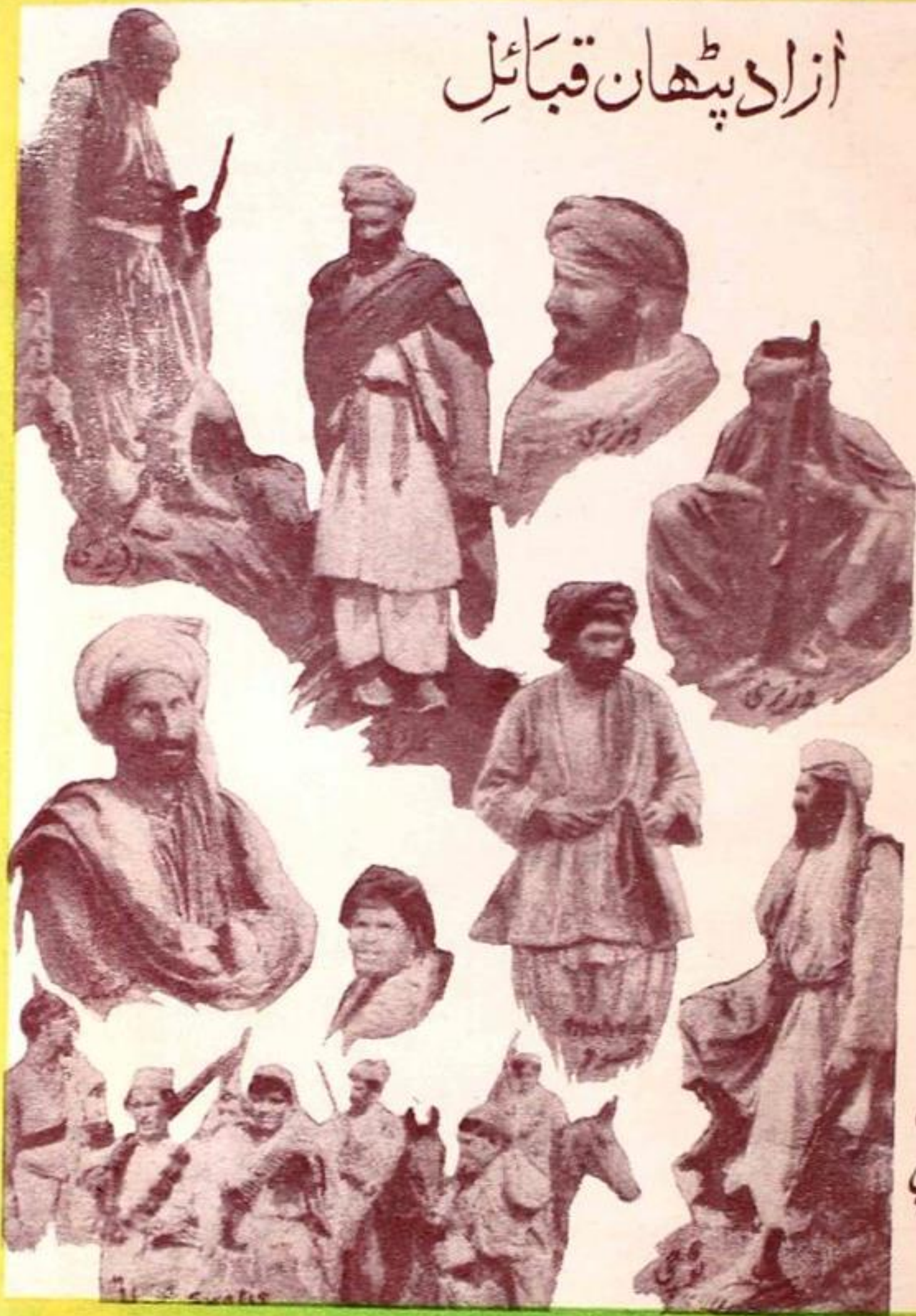
سلسلہ مطبوعات جوہر پبلکیشنز

عباسی لیتھو آرٹ پریس فریئر روڈ کراچی

بار اول

۱۹۵۹ء

قیمت
۳ے ر

معنون

بنام

جنرل محمد موسیٰ خان

کمانڈر انچیف

بّری افواج پاکستان

گر قبول افتد زہے عز و شرف
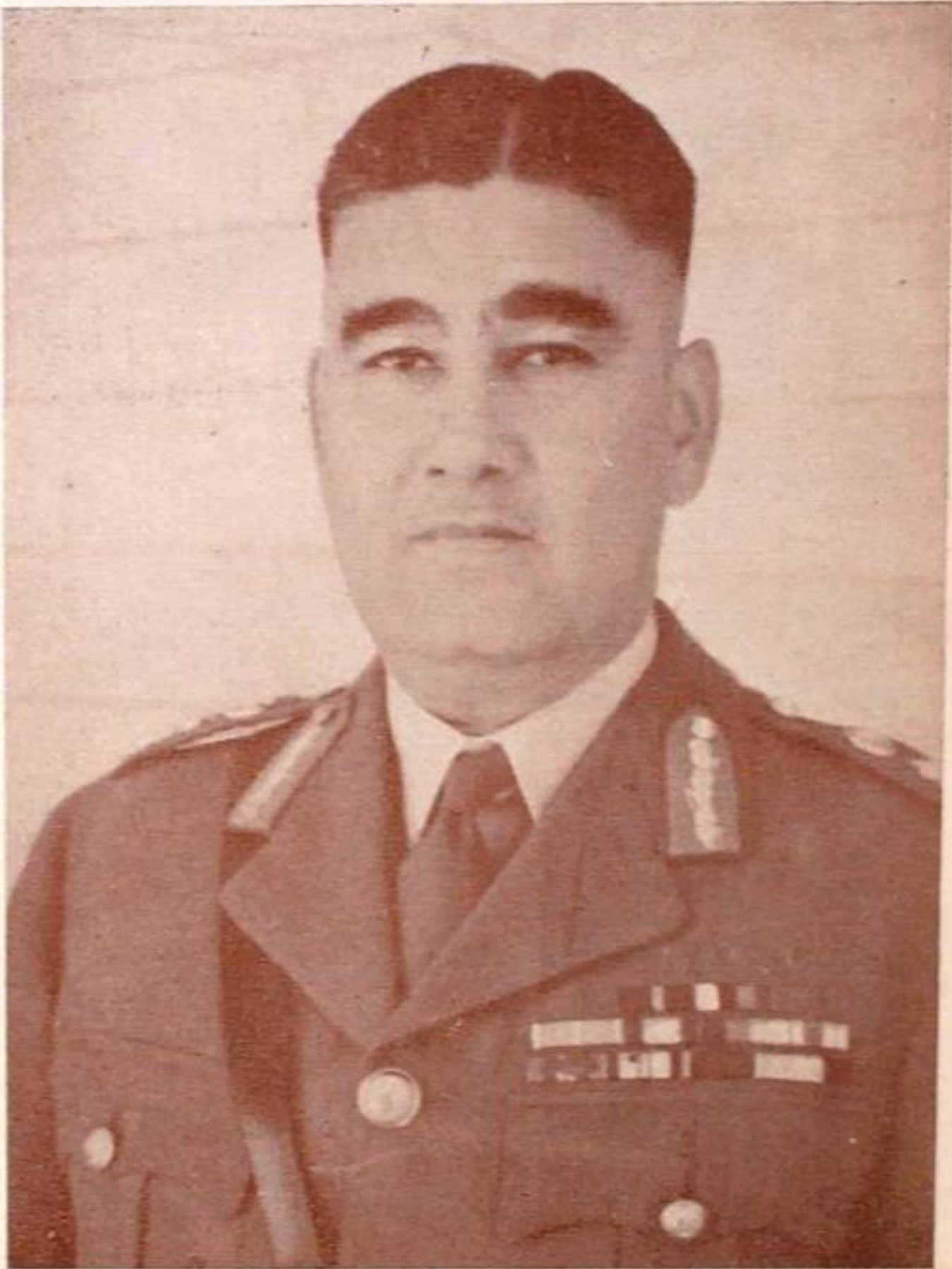
★ جنرل محمد موسیٰ خان ★
کمانڈر۔ ان - چیف - بری افواج پاکستان

عرض حال

جلد دوئم

تاریخ آزاد پٹھان جلد اول کو جو مقبولیت حاصل ہوئی وہ اس سے ظاہر ہے کہ دوسری جلد شائع کرنے سے قبل ہم جلد اول کو دوبارہ شائع پر مجبور ہوئے تھے اور دوسری جلد کی اشاعت کو التوا میں ڈال دیا گیا تھا جسے اب حاضر خدمت کیا جا رہا ہے۔

پہلی جلد کے طبع ثانی کو وہی مقبولیت حاصل ہوئی جو طبع اول کو حاصل ہو چکی تھی کتاب ہاتھوں ہاتھ لی گئی اور ہمارے لئے اس سے زیادہ اور کیا فخر ہو سکتا ہے کہ صدر مملکت پاکستان جنرل محمد ایوب خاں نے کتاب کو پسندیدگی کی نظر سے دیکھتے ہوئے مولف کتاب کو اپنے عطیے سے نوازا اور پاکستان کے بری افواج کے کمانڈر انچیف جنرل محمد موسیٰ خان اور حکومت پاکستان کے وزیر بحالیات لفٹننٹ جنرل محمد اعظم خان نے اس جدید ایڈیشن کو پسند فرماتے ہوئے دوسری زیر ترتیب جلدوں کے دیکھنے کی خواہش کے اظہار سے حوصلہ افزائی کی اس کے ساتھ ہی مسٹر جسٹس حبیب اللہ خان جج ہائی کورٹ مغربی پاکستان (پشاور بنچ) نے دوسری جلد کے لئے پیش لفظ لکھ کر ہمارے اقدام کو مزید تقویت پہنچائی جس کے لئے ہم ان

تہہ دل سے شکر گزار ہیں

جلد اول میں پٹھان قوم کے تعارف کے ساتھ خیبر ایجنسی کی تاریخ بیان کی گئی تھی اب دوسری جلد میں مزید "تعارف" کے اضافہ کے ساتھ درہ کوہاٹ کے واقعات و حالات پر بحث کی گئی ہے، ساتھ ہی آرٹ پیپر پر چھپی ہوئی تصاویر بھی شامل کتاب ہیں جو قارئین کی دلچسپی کا باعث ہوں گے۔

"تاریخ" ایک ملی و ملکی امانت ہے، اس کی ترتیب و تیاری اور تحفظ کے لئے باہمی تعاون کی ضرورت ہے۔ ہمیں توقع ہے کہ اس موضوع یا مضمون سے دلچسپی رکھنے والے احباب ہمیں اپنی آراء اور مفید مشوروں سے مستفید فرماتے رہیں گے، ایسی تمام موصول شدہ آراء یا مشوروں پر پوری ہمدردی سے غور کیا جائے گا، اور یقین ہے کہ ان کی روشنی میں ہم اس سلسلہ کی مزید جلدوں کو جلد اور بہتر طریقہ پر پیش کرنے کے قابل ہو سکیں گے۔

ناشرین

پیش لفظ

از

مسٹر جسٹس حبیب اللہ خان

جج ہائی کورٹ مغربی پاکستان

پشاور بنچ

پیش لفظ

اس حسن اتفاق کے کیا کہئے کہ مجھے ایسی تصنیف کے پیش لفظ لکھنے کے لئے قلم اٹھانا پڑا ہے کہ جس کے مضمون سے نسبتی تعلق ہے تو مصنف سے پرانے سیاسی تعلقات۔ بھائی یوسفی سے سیاسی تعلقات کی ابتدار ۱۹۲۰ء میں ہوئی۔ جبکہ وہ تحریک خلافت کے پرچار میں شمالی ہندوستان کی کوہ پیمائی اور صحرا نوردی کر رہے تھے اور میں اور میرے ساتھی اسلامیہ کالج میں جہاں ہم زیر تعلیم تھے سٹرائک کرانے کے لئے پشاور کے گلی کوچوں میں سرگرداں پھرتے رہے۔

لیعنی

ما و مجنوں ہم سبق بودیم در دیوان عشق
او بصحرا رفت و ما در کوچہ ہا رسوا شدیم

ستائیس برس تک ہم ہر دو کسی نہ کسی حیثیت سے سیاسی رشتہ میں منسلک رہے اور خدمتِ قوم و ملت کے صلہ میں بارہا قید و بند کی زندگی گزارنا پڑی۔ اگرچہ دسمبر ۴۷ء کے بعد سے ہمارا سیاسی رشتہ ٹوٹ گیا لیکن ذاتی اور ذہنی رشتہ آج تک قائم چلا آرہا ہے اور اور اسی لئے میں نے ہمیشہ ان کے صحافتی اور ادبی کارناموں میں بے حد دلچسپی لی ہے اور کیوں نہ لیتا۔
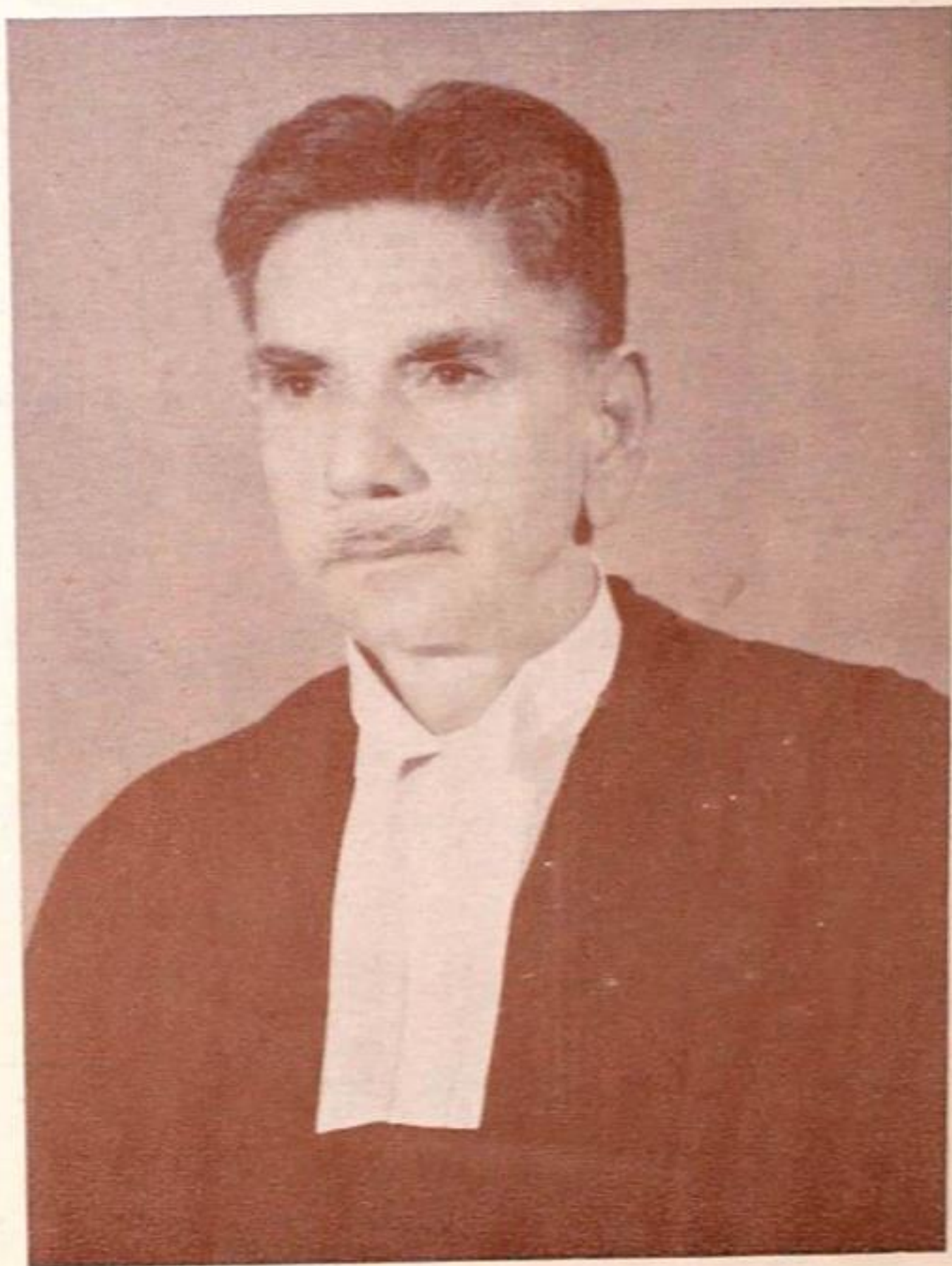
★ مسٹر جسٹس حبیب اللہ خان ★
جج ہائیکورٹ مغربی پاکستان (پشاور بنچ)

بقول غالبؔ

گو واں نہیں پہ واں کے نکالے ہوئے تو ہیں
کعبے سے ان بتوں کو بھی نسبت ہے دور کی

اس وقت تاریخ آزاد پٹھان کی دوسری جلد پیش نظر ہے افسوس ہے کہ مجھے عدالتی کام سے اتنی فرصت نہ مل سکی کہ اپنے پرانے رفیق ریاست اللہ بخش یوسفی کے اس کاوش و محنت کے ثمرہ کو بہ نظر تعمق و اطمینان دیکھ کر اس پر کوئی طویل "پیش لفظ" لکھ سکتا۔ تاہم اس حقیقت کے پیش نظر کہ انہیں ملت افاغنہ سے کہ جس کے وہ خود بھی رکن ہیں گہری دلچسپی اور دلی لگاؤ ہے۔

بلاخوف تردید کہا جاسکتا ہے کہ تاریخ کا مواد جمع کرنے میں انھوں نے ان تھک اور کامیاب کوشش کی ہے اور یقین ہے کہ ملت ان کی اس مساعی کو بہ نظر استحسان دیکھے گی۔

ملت افاغنہ کو تاریخ کے ہر دور میں نمایاں حیثیت حاصل رہی ہے۔ اس نے تاریخ کے ہر دور میں مختلف حیثیتوں سے نام پیدا کیا وہ کبھی طوق غلامی کو زیب گلو کرنے پر آمادہ نہ ہو سکی اور اپنے وطن سے نکل کر برسوں دنیا کے دوسرے گوشوں پر حکمرانی کرتی رہی۔ اس نے کبھی اپنے آپ کو جغرافیائی حدود کا پابند نہ کیا اور علامہ اقبال کے اس مصرعہ پر عمل پیرا ہو کر کہ ع

ہر ملک ملک ماست کہ ملک خدائے ماست

دنیا کے ہر گوشے میں دکھائی دینے لگی۔ اس نے ہر ملک کو اپنا سمجھا اور یہی جذبہ اسلامی تھا جو اسے مشرق و مغرب میں مقیم رکھنے کا باعث بنا۔

ملت افاغنہ کی تاریخ پر نظر ڈالی جائے تو پتہ چلتا ہے کہ اس قوم نے بہادری، جوانمردی، حسن اخلاق، نظامی صلاحیت، تعلیمی قابلیت مختصر یہ کہ ہر شعبہ زندگی میں نمایاں حیثیت حاصل کی اور ہر دور میں وقت کے بہترین عالم، بہترین سیاست داں، اور بہترین سپاہی و قائد پیدا کئے۔ اس نے ہر مصیبت کا مردانہ وار مقابلہ کیا اور ہر ساعت راحت سے مستفید ہوتی رہی۔ وہ تو نہ کبھی مصائب و آلام سے گھبرائی نہ خوشی و انبساط کے دور نے اسے آپ سے باہر ہونے دیا۔

قانون قدرت کے مطابق ایام مسرت اور دور غم دونوں صدیوں سے پہلو بہ پہلو چلتے رہے ہیں اور ملت افاغنہ بھی ان سے ناآشنا نہ رہ سکتی تھی۔ البتہ گذشتہ ایک صدی کا طویل عرصہ (۱۸۴۶ء تا ۱۹۴۷ء) یعنی مغربی پاکستان میں انگریزی راج کا پورا دور اس قوم کے لئے مصائب و آلام کا دور تھا۔ اس یکصد سالہ دور میں انگریز جبر و استبداد کی بارش کرتا رہا اس نے ہر ممکن کوشش کی کہ وہ اس قوم کو تمام خوبیوں سے یکسر محروم کرتے ہوئے صحیح معنوں میں غلام بنا دے یا بالفاظ دیگر انھیں خود اپنے وطن میں اچھوتوں کا درجہ حاصل ہو جائے چنانچہ اس قوم پر مسلسل آتشباری ہوتی رہی تاخت و تاراج کی پالیسی پر عمل ہوا پھر اس کے ساتھ ہندو کی امداد شامل ہوئی تو انگریز نے دنیا کے سامنے پٹھانوں کو ذلیل و خوار ثابت کرنے کے لئے وہ ہمہ گیر پروپیگنڈہ کیا جس کا ذکر "جلد اول" میں بالوضاحت دیکھا جا سکتا ہے اور جس کا ایک انگریز مصنف نے بھی یوں اقرار کر لیا تھا کہ:۔

بد قسمتی پٹھان کی سیرت نصف صدی سے مصنفین کے ہاتھوں پارہ پارہ ہوتی رہی اور وہ دل کھول کر "غدار" "خونخوار" اور "ظالم" کی اضافتیں

لگاتے رہے تا آنکہ پٹھان کو بدترین قسم کا وحشی پکارا جانا فیشن بن گیا[1]
اور یہ پروپیگنڈہ اس شد و مد سے ہوا کہ اغیار تو اغیار تھے ہی خود اپنے برادران ملت بھی اس کا شکار ہو گئے اور انگریز کے یکصد سالہ دور حکومت میں بہت ہی کم افراد کو اس قوم کے لئے کلمہ خیر زبان پر لانے کی توفیق ملی۔
ہندوستان اور افغانستان کی متعدد تاریخیں لکھی گئیں اپنوں نے بھی لکھیں اور بیگانوں نے بھی۔ یہ سب اجماعی حیثیت کی تھیں ان میں عمومیت سے ہندوستان اور افغانستان کے معاملات پر بحث ہوتی رہی لیکن افسوس کہ اس علاقہ کی طرف کہ جسے پاکستان کے شمال مغرب میں "آزاد قبائلی علاقہ" کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے کسی نے توجہ نہ دی اس علاقہ کی تاریخ حقیقتاً تاریخ ہند و افغانستان میں اس طرح گھل مل چکی ہے کہ اسے جدا کر دکھانا آسان کام نہیں۔ رفیق محترم اللہ بخش یوسفی نے اس کام کے سرانجام دینے کی سعی کی ہے اور ان کی تاریخ آزاد پٹھان کی ابتدائی دو جلدوں نے یہ ثابت کر دیا کہ وہ اس کی اہلیت رکھتے ہیں اور یہ دیکھکر مسرت ہوتی ہے کہ ملت نے ان کی اس محنت کو عزت و وقعت سے دیکھا ہے۔ پٹھان قوم سے دلچسپی رکھنے والے قابل ذکر حضرات اور مصنفین نے حوصلہ افزا پیغامات دیئے اور صدر مملکت جنرل محمد ایوب خان تک نے اسے پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھتے ہوئے مصنف کو اپنے عطیہ سے نوازا ہے۔
مصنف نے پہلی جلد میں "پٹھانوں" کے حسب و نسب کے سلسلہ میں طویل بحث کی تھی اور اس قوم کے "آرین" یا "بنی اسرائیل" ہونے کے

---

[1] پٹھان بارڈر لینڈ

نزاعی مسئلہ کو بالوضاحت بیان کرتے ہوئے خود اپنے لئے ایک جدا راہ نکالی اور اس قوم کو آرین اور بنی اسرائیل کے اشتراک کا نتیجہ بتایا تھا زیر نظر جلد میں بھی اس مسئلہ پر مزید بحث کی گئی ہے اور چونکہ یہ مسئلہ کلیتاً صاف نہیں ہوسکا، اس وجہ سے بجا طور پر لکھ دیا ہے کہ :-

"...... نہیں کہا جا سکتا کہ مسئلہ اصل نسل افغان جس پر صدیوں سے پردے پڑتے چلے آرہے ہیں کسی وقت بے نقاب بھی ہو سکے گا، یا محض ظن درائے ہی کے چکر میں یہ مسئلہ یوم الحساب تک علی الحساب چلتا رہے گا اور دو اور دو چار کی طرح کسی وقت بھی یہ نہ کہا جا سکے گا کہ اس قوم کا تعلق بنی اسرائیل سے تھا یا آرین یا ہمارے خیال کے مطابق دونوں سے اور پھر اب تو یہ سوال بھی پیدا ہو رہا ہے کہ حقیقتاً نسلاً "آریا" نامی کوئی قوم اس دنیا میں کبھی موجود بھی تھی یا نہیں ...."

جلد اول میں "ملت افاغنہ" کو زیر بحث لاتے ہوئے "خیبر ایجنسی" کی تاریخ بیان کی گئی تھی اس دوسری جلد میں مذکورہ بحث میں اضافہ کے بعد "درہ کوہاٹ" کے زمانہ قدیم سے قیام پاکستان تک کے حالات درج کر دیئے گئے ہیں اور بڑی محنت اور کاوش سے ایسے واقعات اور تفصیلات بیان کر دی گئی ہیں کہ جو بڑی جستجو اور ورق گردانی کے بعد ہی حاصل ہو سکتی تھیں۔

رفیق محترم اللہ بخش یوسفی عادتاً ایسے کاموں میں ہمیشہ ہاتھ ڈالتے کے عادی رہے ہیں کہ جو مشکل دکھائی دے رہے ہوں۔ سنہ ۱۹۲۲ء میں، جب پرنس آف ویلز کی آمد پر ان کے بائیکاٹ کرنے کا سوال پیدا ہوا اور اس تحریک کو ناکام کرنے کے لئے تمام آمرانہ طاقتیں متحد ہو گئی تھیں تو انھوں نے صحیح معنوں

★ اللہ بخش یوسفی (مؤلف) ★
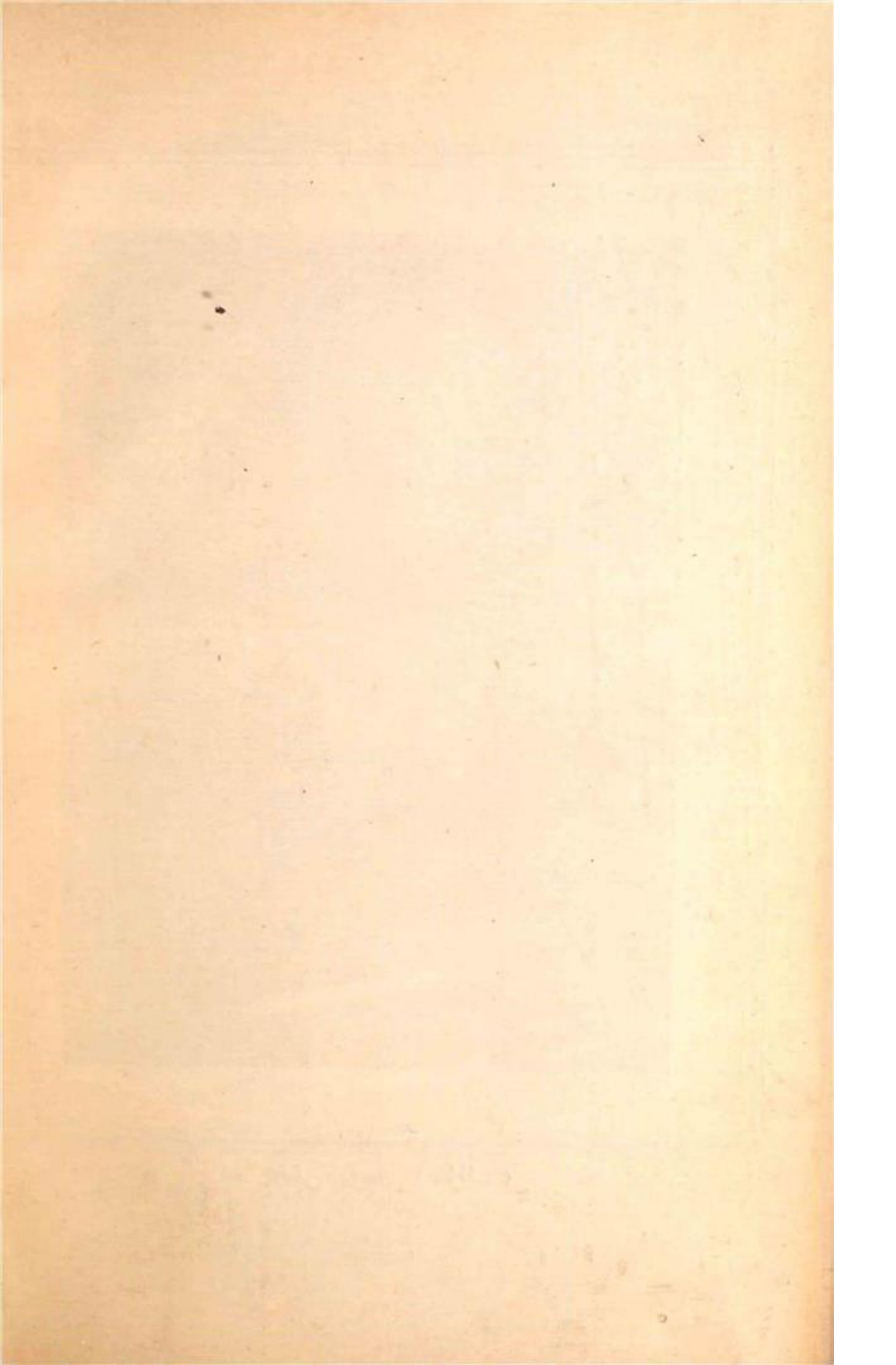
میں مٹھی بھر رضاکاران خلافت کو ساتھ لئے اس تحریک کی قیادت کی اور قابل رشک کامیابی حاصل کی۔ ۱۹۲۷ء میں اس وقت کہ سرزمین بے آئین صوبہ سرحد میں کسی اخبار کے اجراء کو آگ سے کھیلنے کے مترادف سمجھا جاتا تھا۔ انھوں نے اخبار "سرحد" جاری کیا۔ پھر ۱۹۳۰ء میں جب پورا ملک جبر و تشدد کا شکار ہوا تو انھوں نے ہندوستان بھر کو سرحدیوں کے مصائب و آلام سے روشناس کرانے کے بعد "سانحہ سرحد" (FRONTIER TRAGEDY) نامی کتاب شائع کی جو حیرت انگیز طریقہ پر بیک وقت ہندوستان اور انگلستان میں شائع ہوئی۔ اس قسم کے اقدامات کے سلسلہ میں حکومت نے مسٹر یوسفی کو بارہا قید و بند میں ڈالا اور اسی خدمات کے اعتراف میں ملت نے انھیں مجلس مرکزیہ خلافت کے نظامت کے عہدے پر بٹھایا۔ مولانا محمد علی جوہر مرحوم نے راؤنڈ ٹیبل کانفرنس میں شمولیت کے وقت انھیں رفیق سفر رکھنے کی خواہش کی مولانا شوکت علی کی وفات پر مجلس خلافت نے ان کے جانشین کی حیثیت سے مسٹر یوسفی کو بمبئی میں مقیم رکھا اور جب قائد اعظم محمد علی جناح نے ابتدائً صوبہ سرحد میں پارلیمنٹری بورڈ قائم کرنا چاہا تو اس خدمت کا اعزاز بھی رفیق محترم کے حصہ میں لکھا تھا۔

مجھے توقع ہے کہ پہلی جلد کی طرح "تاریخ آزاد پٹھان" کی دوسری جلد کا بھی گرم جوشی سے خیر مقدم کیا جائیگا اور ملت کی ہمت افزائی سے وہ اس سلسلہ کی مزید جلدیں شائع کرنے کے قابل ہو جائیں گے۔ میں ایک دوست کی حیثیت سے انھیں اس کامیاب کوشش پر مبارکباد پیش کرتا ہوں یہ تصنیف محض تاریخ نہیں بلکہ تمام ملت اسلامیہ کے لئے دعوت عمل بھی ہے۔

ادائے خاص سے غالب ہوا ہے نکتہ سرا
صلائے عام ہے یاران نکتہ داں کے لئے

مندرجات

فہرست تصاویر

آزاد پٹھان قبائل — ٹائٹل دو رنگ

آزاد پٹھان قبائل
Khyber
سواتی
Swatis

تعارف

تعارف

"تاریخ آزاد پٹھان" جلد اول (طبع ثانی) میں تعارف کے زیر عنوان ہم نے پٹھانوں کے "حسب و نسب" کے سلسلہ میں کوشش کی تھی کہ ان محققین کی آرار درج ہو جائیں جو ملت افاغنہ کو نسلاً آریا سمجھتے ہیں اور ان مورخین کی آرار بھی صفحۂ قرطاس پر منقش ہو جائیں کہ جن کی نظر میں پٹھانوں کا تعلق بنی اسرائیل سے ہے اور جو انھیں سامی النسل خیال کرتے ہیں۔ فریقین نے اپنی اپنی تائید میں جو دلائل دئے وہ ہر حیثیت سے قابلِ احترام و لائق غور و فکر ہیں۔ دونوں نے اپنی طاقت و بساط کے مطابق انھیں آریا یا بنی اسرائیل ثابت کرنے میں کوئی کسر باقی رہنے نہ دی۔ اگرچہ اس سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ مورخین اور خود پٹھان مورخین کی اکثریت اسی خیال کی موید رہی ہے کہ پٹھان نسلاً بنی اسرائیل یا سامی الاصل ہیں اور یہ کہ ان کا شجرۂ نسب حضرت طالوت علیہ السلام سے جا ملتا ہے۔

ہم نے اس سلسلہ میں اپنے خیالات پیش کرتے ہوئے دونوں سے اختلاف بھی کیا تھا اور اتفاق بھی، وہ یوں کہ ہم نہ تو پٹھانوں کو خالصتہً آریا تسلیم کرتے ہیں اور نہ ہی بنی اسرائیل، بلکہ ہماری رائے میں یہ دونوں ان اقوام کے اشتراک کا نتیجہ ہیں۔ اس تاریخی حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ بخت نصر کے عہد حکومت میں بنی اسرائیل کے کئی افراد یا خاندان اپنے وطن فلسطین کو چھوڑ دینے پر جب مجبور کر دیے گئے تو وہ پھرتے پھراتے کوہ سلیمان کے علاقہ میں جا مقیم ہوتے تھے اور یہ بھی تاریخی حقیقت ہے کہ کوہ ہندوکش پار سے ایک دوسری قوم بھی نقل مکانی کرتی ہوئی اس علاقہ یا اس کے گرد و نواح میں جا آباد ہوئی تھی۔ رفتہ رفتہ ان میں میل ملاپ شروع ہوا۔ حالات زمانہ نے انھیں آپس میں گھل مل جانے پر مجبور کیا تو وہ ایسے شیر و شکر ہوئے کہ دوئی کا نشان ہی باقی نہ رہا۔ رفتہ رفتہ ایک ہی زبان بولنے لگے اور ایک بنی اسرائیل کی نسبت سے اوغان یا افغان کہلائے تو دوسرے پکتیان یا پٹھان۔ نتیجہ یہ کہ بالآخر یہ دونوں نام ایک دوسرے کے مترادف سمجھے جانے لگے۔ اور دونوں کے لئے اوغان، افغان یا پٹھان کا استعمال بلا کسی تخصیص کے رواج پا گیا۔ ان حالات میں ہم نے رائے ظاہر کی تھی کہ اس قوم کو خالص بنی اسرائیل یا آریا۔ کی بجائے "آرین سامی" پکارا جانا چاہیئے۔

بلاشبہ ہماری مندرجہ بالا رائے کسی طرح حرف آخر یا قول فیصل کی حیثیت نہیں رکھتی۔ تاریخ کے واقعات، حالات اور مقامات کے سلسلہ میں۔ نت نئی تحقیقاتیں ہو رہی ہیں۔ نئے نئے انکشافات منظر عام پر لائے جا رہے ہیں

نئی نئی معلومات مہیا کی جا رہی ہیں اور تحقیق و تفتیش کے دروازے جس وقت تک کھلے رہیں گے معلومات میں اضافہ ہوتا ہی رہے گا۔ نئے نئے خیالات اور نئے نئے نظریات سامنے آتے رہیں گے اور نہیں کہا جا سکتا کہ یہ "مسئلہ اصل نسل افغان" جو صدیوں سے موضوع بحث بنا ہوا ہے کسی وقت حل بھی ہو سکیگا یا محض ظن و رائے ہی کے حکم میں یوم الحساب تک علی الحساب چکمہ کھاتا رہے گا اور کسی وقت بھی دو اور دو چار کی طرح یہ نہیں کہا جا سکے گا کہ اس قوم کا تعلق بنی اسرائیل سے تھا یا آرین سے یا ہمارے خیال کے مطابق دونوں سے اور اب تو یہ سوال زیر بحث آ رہا ہے کہ آیا نسلاً کوئی آریا نامی قوم اس صفحۂ ہستی پر موجود بھی تھی یا نہیں؟

عرض کیا جا چکا ہے کہ پٹھانوں کو بنی اسرائیل اور "آریا" دونوں حیثیتوں سے دنیا کے سامنے پیش کیا جاتا رہا اور گو یورپ کے بعض محققین نے اس قوم کے آریا ہونے کا فرداً فرداً فتویٰ بھی دیا تھا۔ تاہم اکثریت اسے بنی اسرائیل یا سامی الاصل ہی ظاہر کرتی رہی۔ عام مسائل کی طرح یہ مسئلہ بھی عمومی حیثیت سے زیر بحث رہا اور کسی وقت بھی خصوصی حیثیت سے اس پر توجہ نہ دی گئی اور نہ اسے کسی ہنگامی ہمہ گیر تحریک کی حیثیت سے زیر بحث لانے کی کوئی کوشش یا سعی ہوئی۔ انیسویں صدی عیسوی کے اواخر اور بیسویں صدی کے اوائل میں حالات نے پلٹا کھایا۔ ملت میں تعلیمی بیداری دکھائی دینے لگی۔ اس کے افراد سیروا فی الارض پر عمل پیرا ہوئے۔ غور و فکر نے دل و دماغ کے بند دروازوں کو کھولنا شروع کیا۔ گرد و پیش پر نظر ڈالی جانے لگی اور بین الملی ....

بین الملکی مسائل کے نظارے محو حیرت کرنے لگے تو افراد ملت میں ملت کو بیدار کرنے کا جذبہ پیدا ہوا، دلوں میں نئی نئی امنگیں اٹھنے لگیں، پس ماندگی کا احساس ہونے لگا، غلامی کی زنجیریں اب ناقابل برداشت بوجھ کی شکل اختیار کر گئیں اور انھیں توڑ پھینکنے کے ولولے دلوں میں موجزن ہونا شروع ہوئے۔

اس وقت بین الاقوامی سیاست میں انقلاب رونما ہو رہا تھا۔ ملت اسلامیہ کی کشتی جسے سنبھالنے کی کوشش میں سید جمال الدین افغانی اور ان کے رفقاء جان عزیز قربان کر چکے تھے گرداب مصائب میں پھنس چکی تھی۔ خود خلافت عثمانیہ کہ جس پر مذہباً مسلمانوں کی نگاہیں لگی رہتی تھی اپنی حفاظت کے لئے ہاتھ پاؤں مارنے پر مجبور اور امداد و اعانت کی طلب گار نظر آنے لگی۔ اس آڑے وقت میں اگر طرابلس کے سنوسیوں نے شمشیر بکف ہو کر ملت کی بقا کیلئے سر دھڑ کی بازی لگا دی تو مسلمانان ہند نے عالم اسلام کو بیدار کرنے کا کام خود سنبھال لیا، مختصر یہ کہ مصائب و آلام اور استبداد نے اس قوم کو جھنجھوڑ جھنجھوڑ کر بیدار کرنا شروع کیا تو اس کا اثر ہر طرف دکھائی دینے لگا اور پٹھان بھی جو بقول مورخین پیدائشی سیاست داں ہیں اثر لئے بغیر رہ نہ سکے۔ ان کی رگوں میں بھی مجاہدانہ خون جوش مارنے لگا۔ انھوں نے بھی زندگی و بقا کے لئے تگ و دو شروع کر دی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ افغانستان جو سیاسی حیثیت سے انگریز کے زیر نگیں تھا سنہ ۱۹۲۰ء میں آزاد ہو گیا۔ لیکن صوبہ سرحد اور قبائلی علاقے کے پٹھانوں کو زنجیر غلامی اتار پھینکنے میں مزید ۲۷ سال جنگ لڑنا پڑی تو کہیں سنہ ۱۹۴۷ء میں وہ طوق غلامی اتار کر آزاد اقوام کی صف میں شامل ہو گئے۔ اور دنیا کے نقشہ میں

حکومت پاکستان کی وسعت دکھائی دینے لگی۔

پٹھانوں کے اس "دورِ جدید" کا آغاز حقیقتاً ۱۹۲۰ء سے شروع ہوتا ہے جب کہ شاہ امان اللہ خان نے سریر آرائے تخت ہو کر افغانستان میں اصلاحات کا اجرا کیا، آزاد ملک کی آزاد فضا میں مختلف مسائل زیرِ بحث آئے، مختلف گتھیوں کو سلجھایا جانے لگا اور دیگر مسائل کے ساتھ پٹھانوں کے بنی اسرائیل یا آرین ہونے کا سوال بھی زیرِ بحث آیا۔ گذشتہ سطور میں عرض کیا جا چکا ہے کہ مورخین پٹھانوں کو بنی اسرائیل یا آرین دونوں حیثیتوں سے زیرِ بحث لا چکے تھے۔ لیکن کسی وقت بھی اس مسئلہ کو حکومت کی سرپرستی حاصل نہ تھی۔ عہد شاہ امان اللہ خان میں جب سردار فیض محمد خان نے (جو اس وقت غالباً وزیر تعلیم تھے) اپنی ایک تصنیف یا تالیف میں پٹھانوں کو "آریا" ظاہر کیا تو اس مسئلہ کو سرکاری حمایت حاصل ہوئی لیکن اس کے باوجود نہ تو یہ مسئلہ عوامی مسئلہ بن سکا، نہ ہی مورخین و علمائے وقت نے اسے کسی خاص اہمیت سے زیرِ بحث لانے کی ضرورت محسوس کی اور نہ ہی حکومت نے کسی شد و مد سے اس مسئلہ کو عوام پر ٹھونسنے کا کام اپنے ذمہ لیا۔ سردار فیض محمد خان کو کوئی قابلِ ذکر حمایت حاصل نہ ہو سکی اور نہ ہی کسی موافق یا مخالف نے اس مسئلہ میں کسی انہماک یا گرمجوشی سے کوئی حصہ لیا۔ البتہ اس سے انکار نہیں کہ سردار فیض محمد خان کی قیادت میں اب یہ موضوع زیرِ بحث آنے لگا تھا اور مستشرقین کی آراء کو وقعت دی جانے لگی تھی۔

حالات بدلنے کے ساتھ افغانستان کے حکمران بھی بدل گئے۔ جدید حکمرانوں کے عہد میں یہ مسئلہ ایک بار پھر موضوع بحث بنا۔ لیکن اب مستعدی اور شدت سے

پٹھانوں کو آریا ثابت کرنے کی مہم شروع ہوئی کہ ریڈیو، اخبارات، مجالس حتیٰ کہ شاہی تقاریب تک میں یہی ایک آواز سنائی دینے لگی۔ حکومت نے اس مسئلہ کو وقت کا اہم ترین مسئلہ ظاہر کرتے ہوئے ہر ممکن طریقہ سے اس کی اشاعت کی اور مستشرقین کے خیالات کو جو بارہا سرزمین افغانستان پر سنے جا چکے تھے اور جنھیں کسی وقت بھی کوئی خاص اہمیت حاصل نہ ہو سکتی تھی اب بطور سند پیش کئے جانے لگے اور سارا زور اسی پر صرف ہو رہا ہے کہ پشتو زبان چونکہ "انڈو آرین" کہلاتی ہے، اس وجہ سے اس زبان کے بولنے والوں کو آریائی ہونا چاہئے یا پھر یہ کہ کسی وقت افغانستان کا علاقہ آریانا کہلاتا تھا۔ اس لئے اس کے باشندوں کا اس وطن کی نسبت سے آریا پکارا جانا ضروری ہے۔

بلاشبہ افغانستان میں یہ مسئلہ یعنی پٹھانوں کو آریا ثابت کرنے کی مہم عہد شاہ امان اللہ خان میں شروع ہوئی تھی۔ لیکن جیسا کہ ظاہر کیا جا چکا ہے اس نظریہ نے اس عہد میں نہیں بلکہ اس کے بعد اہمیت حاصل کی۔ قیام پاکستان تک یہ مسئلہ بلا کسی اہمیت کے وقتاً فوقتاً زیر بحث آتا رہا لیکن اسے کسی وقت کسی اہم قومی مسئلہ کی حیثیت سے نہ دیکھا گیا اور نہ کبھی اسے کوئی خصوصی حیثیت حاصل ہوئی البتہ قیام پاکستان کے بعد اس مسئلہ نے اہمیت اختیار کر لی۔ اسے ملت کا ایک اہم ترین مسئلہ بنا دیا گیا۔ افغانستان کے پشتو ٹولنہ نامی ادارہ افغان ریڈیو افغانی اخبارات اور متعلقین حکومت نے دنیا کو ہمنوا بنا لینے کے لئے ان تھک کوششیں شروع کر دیں اور نوبت بہ ایں جا رسید کہ "کوہ ہندوکش" کے نام کو تبدیل کر دینا ضروری خیال کیا جانے لگا تھا افغانستان کی ہوائی سروس کو "آریانا"

کا نام دیا گیا اور تجویز ہو رہی ہے کہ خود اس ملک کے نام کو بدل کر آریا نا کر دیا جائے۔ اس کے ساتھ پاکستان اور افغانستان میں بدقسمتی سے پیدا شدہ غلط فہمیوں کو دیکھتے ہوئے بھارت سرکار نے فائدہ اٹھانے کی کوشش کی افغانستان سے محبت و پیار کی پینگیں بڑھائی جانے لگیں۔ پٹھانوں کے آریا ہونے کی حمایت شروع ہوئی تا آنکہ بھارت سرکار کے ذمہ دار ارکان بھی جو پاکستان ہندوستان اور افغانستان سے تا بحد بخارا پورے ملک کو "بھارت" خیال کرنے لگے ہیں[1]۔ اس نظریہ کی پشت پناہی کرتے نظر آئے کہ "بھارت اور افغانستان دونوں ایک ہی نسل آریا سے تعلق رکھتے ہیں۔ اور سب ایک ہی وسیع ملک آریانا کے باشندے ہیں۔ ان حالات میں حقائق کی متلاشی نگاہیں افغانستان اور بھارت کی روش کو شک و شبہہ سے دیکھتے ہوئے اس الجھن میں پڑ جاتی ہیں کہ کہیں تاریخی تجسس کی بجائے یہ مسئلہ بھی سیاسی اغراض کی قربان گاہ پر قربان نہ کیا جا رہا ہو مذکورہ تشکک کو نظر انداز کرتے ہوئے اس موضوع کو پیش نظر رکھیے کہ اس وقت تک مورخین کی ایک جماعت پٹھانوں کو بنی اسرائیل ظاہر کرتی رہی ہے تو دوسری جماعت نے اس قوم کے آرین ہونے کا فتویٰ دیدیا۔ اور ابتدا ہی سے یہ دونوں نظریے زیر بحث رہے۔ رفتہ رفتہ ان میں ردوبدل ہونے لگا، دنیا

---

[1] بھارت کے کئی ایک ذمہ دار افراد نے اس خیال کا اظہار کیا ہے کہ بھارت کے علاقہ میں ہندوستان، پاکستان اور افغانستان تا بحد بخارا تک کا علاقہ شامل ہے اور دوسری طرف اس کی سرحدیں انڈونیشیا تک جا پہنچی ہیں۔

کی ہر چیز اور ہر مسئلہ میں انقلاب آیا، نظریے بدلنے لگے، تلاش و جستجو کرنے والوں نے نئی نئی راہیں نکالنا شروع کیں، نئے نئے انکشافات ہونے لگے اور صدیوں کے مصدقہ مسائل نئے رنگ و روپ میں آنکھوں کے سامنے منڈلاتے دکھائی دینے ...، نئی نئی بحثیں شروع ہوئیں، طالبان علم نے نئے نئے گوشوں میں تلاش شروع کی۔ چنانچہ ابھی کہ اس مسئلہ کا کوئی آخری فیصلہ نہ ہو سکا تھا کہ پٹھان بنی اسرائیل ہیں یا آریا، ایک نئے نظریے نے جنم لیا، جس کے موجد نے اس دنیا میں آریا نسل کے وجود سے انکار کرتے ہوئے اعلان کر دیا کہ کسی وقت بھی روئے زمین پر "آریا نسل" موجود نہ تھی۔ اور یہ جس قوم آریا کا تاریخوں میں ذکر آتا ہے وہ کوئی نسلی امتیاز نہ تھا بلکہ ایک مذہبی نسبت تھی اور ان لوگوں کے لئے استعمال ہوتی تھی جو اِدِ نامی معبود کی پرستش کرتے تھے، اور اس اِد کی نسبت سے آریا کہلاتے تھے ایسے ہی جیسے محمدی، مسیحی، زرتشتی، یا بدھ وغیرہ یعنی وہ نسلی امتیاز کی وجہ سے نہیں بلکہ مذہبی نسبت سے پکارے جاتے تھے۔

اندریں حالات کہ اس وقت نہ تو وہ معبود اُدُر موجود ہے نہ اس کی پرستش کرنے والا کوئی متنفس باقی دکھائی دیتا ہے تو کسی کو آریا یا اُدُر کا پرستار کہنا درست جائز نہیں ہو سکتا اور جب اُدُر اور آریا دونوں باقی نہ رہے تو لفظ آریا کا استعمال بے موقع و بے محل ہو کر رہ جاتا ہے۔

اس نظریے کے منظر عام پر آجانے کے بعد پٹھانوں کے نسب کا سلسلہ کہ وہ بنی اسرائیل ہیں یا آریا خود بخود ثانوی حیثیت اختیار کر لیتا ہے اور محققین کے لئے ضروری ہو جاتا ہے کہ وہ پہلے اس گتھی کو سلجھالیں کہ اس نظریہ میں کتنی جان ہے

اگر یہ نظریہ تسلیم کر لیا گیا تو اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ ملت افاغنہ بلا اختلاف سامی الاصل تسلیم کر لی جائے گی اور اگر یہ نظریہ مسترد ہوا تو حسب سابق پھر وہی دیرینہ مسئلہ زیر بحث آئے گا اور دیکھنا پڑیگا کہ آرین یا سامی الاصل ہونے کے جواز میں کیا کچھ کہا جا چکا ہے یا کہا جا سکتا ہے۔

یہ نظریہ ہمارے ایک رفیق خاص قاضی عبد الحلیم اثر کا پیش کردہ ہے، اس موضوع پر ان کا ایک مقالہ پشتو اکیڈمی پشاور یونیورسٹی کے مجلہ پشتو[1] میں بزبان پشتو اُلّو کے زیر عنوان شائع ہوا تھا، اس وقت تک دوسری زبانوں میں اس کی اشاعت نہیں ہو سکی یہی وجہ ہے کہ وقت کا یہ اہم ترین مسئلہ عمومی حیثیت سے زیر بحث نہیں آسکا۔ ہم ذیل میں اس کے چند اقتباسات پیش کرتے ہیں، تاکہ اردو خواں احباب بھی اس سے مستفید ہو سکیں یا اس پر اظہار خیال کر سکیں۔

اُر۔ آریہ۔ آریا۔ ایرین

لفظ آریہ کے دو جزو ہیں۔ ایک آر اور دوسرا ي اس ی پر کھڑی زبر لکھی جاتی ہے (يٰ) اور بعض لوگ اس زبر کے ظاہر کرنے کو اس لفظ کے آخر میں ہ کا اضافہ کرتے ہیں جیسے سنسکرت کے تلفظ میں آریہ اور بعض اس کے آخر میں الف مقصورہ بڑھاتے ہیں جیسے آریا اور جب

---

[1] مجلہ پشتو (پشتو اکیڈمی پشاور یونیورسٹی) جلد ۱ نمبر ۲-۳ (۱۹۵۸ء)

اس کے آخر میں نسبتی نا بڑھادی جاتے تو اسے آدیانا
یا ادیانا پڑھا جاتا ہے۔ اس لفظ کے اول جزاُر کا تلفظ توریت شریف
کے مطابق اُر ہے یعنی الف پر پیش ہے، چنانچہ تورات کی ایک
آیت میں مرقوم ہے کہ

"اللہ تعالیٰ نے ابراہیم (علیہ السلام) کو کلدانیوں
کے اُر سے نکال دیا"

یہ اُر کلدانیوں کے ایک شہر کا نام ہے کہ جو عراق میں
مقبر کے نام سے مشہور تھا۔ پہلی دفعہ ۱۸۵۹ء میں اس
سے متعلق معلومات حاصل ہوئیں، بعد میں "برطانوی عجائب
گھر" کی ہمت سے ۱۹۲۲ء میں پنسلوانیا یونیورسٹی کے
عجائب گھر کے پروفیسر ڈاکٹر جی، بی، گورڈن نے یہ آثار
قدیمہ تلاش کیے تو سر لیونارڈ وولی نے جو اس مہم میں ان
کے شریک کار تھے "کلدانیوں کے اُر" کے نام سے
ایک کتاب لکھی۔ تو اس میں آثار قدیمہ سے دریافت
شدہ معلومات کی بنا پر لفظ اُر کے الف پر پیش لکھی
اور دائرۃ المعارف کابل کی کتاب ادیانا جلد دوم
صفحہ ۲۸۲ پر بھی لفظ اُر ہی درج ہے۔ اسی مصنف نے
آگے چل کر لکھا ہے کہ "سمی ہم دین"، یعنی اُر کے
بادشاہوں کی نسل و تہذیب۔ مصری۔ بابلی۔ عبرانی

اور مقدونیوں سے بھی قدیم ہیں اور آج سے پانچ ہزار سال پرانی ہیں.....

کلدانیوں نے جو اپنے شہر کا نام اُر رکھا، تو ظاہر ہے کہ یہ ایک لغوی لفظ ہے جو اس امر کو ثابت کرتا ہے کہ کلدانیوں کی اجتماعی زندگی میں لفظ اُر کو ایسی خاص اہمیت حاصل تھی جو انھوں نے اسے اپنے ایک شہر کے نام کے لئے استعمال کیا، اس وقت اس لفظ کی وضاحت کرنا مقصود ہے۔

اس وقت تک تمام برآمد شدہ آثار قدیمہ آسمانی کتابوں اور تاریخی معلومات میں اس حقیقت کو تسلیم کیا جا چکا ہے کہ اس سرزمین پر مختلف اشیاء یا معبودوں کی عبادت کی جاتی رہی ہے۔ جن میں نور اور اور (آگ) کی پرستش خاص اہمیت رکھتی ہے

قرآن شریف میں بھی مختلف اقوام کے نور اور اور، (آگ) کی عبادت کا ذکر دکھائی دیتا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جب رشد وہدایت ملی اور اس کی ابتدا میں جب وہ کائنات پر غور و فکر کرنے لگے تو قرآن شریف کی اس آیت سے

فَلَمَّا رَأَى الشَّمْسَ بَازِغَةً قَالَ هَٰذَا

رَبِّیۡ فَلَمَّاۤ اَفَلَ قَالَ لَاۤ اُحِبُّ الۡاٰفِلِیۡنَ ○

بھی معلوم ہوا کہ اس زمانہ میں نور (چاند) اور قدرت
کے دوسرے مناظر کی عبادت کرنے کا تصور موجود تھا اور
اسی پر حضرت ابراہیم علیہ السلام تنقید کرتے رہے اور بعد میں
اس قوم نے جب انھیں اُر (آگ) میں جھونکا تو اس میں
بھی وہی ذہنیت کارفرما تھی اور اس زمانہ میں اُر (آگ)
کی وہ لوگ عبادت کرتے تھے تو انھوں نے اس نیت سے
حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اُر (آگ) کی نذر کیا کہ ان کے
عقیدے کے مطابق خود معبود (اُر) انھیں سزا دیدے

اس کے بعد اثر صاحب نے اُر کے مقابل دوسرے ایسے معبودوں کا ذکر کیا ہے
جن کا تعلق نور یا روشنی سے تھا اور مثالیں دیکر بتایا ہے کہ ان معبودوں کی پرستش
کرنے والے بھی اُر کی طرح اپنے معبودوں کے نام مقامات اور خود اپنے لئے استعمال
کرتے رہے ہیں۔ اور پھر پشتو لفظ اُر اور آگ کی وضاحت میں لکھتے ہیں کہ:۔

پشتو زبان کا مروجہ تلفظ اور ہے مگر بعض لوگ
الف پر ضمہ اشباعی لکھکر اُر بولتے ہیں جیسا کہ توران میں
دستور ہے۔ اگرچہ عام طور الف کے بعد و لکھکر الف
پر پیش ڈالدی جاتی ہے لیکن صحیح تلفظ وہی ضمہ اشباعی
بغیر واو کے ہے کیونکہ جہاں کہیں بھی یہ دوسرے
کلموں میں استعمال ہوا ہے مثلاً اُدمڑ۔ ادگون۔ اُپیاتی وغیرہ

جناب اثر صاحب کو شکایت ہے کہ :۔

دنیا کے بڑے بڑے علماء ، ادبا نے لفظ اُد کی حقیقت و اصلیت پر غور و فکر نہیں کی اور جہاں کہیں انھیں اُد کے ساتھ یائے نسبتی نظر آئی وہیں اُدیا نا مراد لے لی اور اسے ایک ملک کا نام قرار دیدیا حالانکہ یہ لفظ پشتو زبان کا ہے اور جہاں کہیں یہ مرکب شکل میں دکھائی دیتا ہے مثلاً ایدین تو یہ کسی قوم کا نام نہیں بلکہ پشتو زبان کے عام قاعدہ کے مطابق پشتو کے نسبتی ین کے اضافہ سے ایدین پکارا جاتا ہے اور اس سے وہ لوگ مراد لئے جاتے ہیں جو اُد کی عبادت کرتے تھے ، پشتو زبان میں اس کی مثالیں مل سکتی ہیں مثلاً خودین ۔ دیشمین ، پشتمین وغیرہ

آگے چل کر وہ ظاہر کرتے ہیں کہ بلا شبہہ ایدین کسی زمانہ میں ایک قوم کا نام تھا لیکن یہ نام مذہب کی نسبت سے تھا ، اسی طرح کہ جس طرح دوسری اقوام اپنے مذہب یا عقائد کی نسبت سے محمدی عیسائی وغیرہ ناموں سے پکاری جاتی ہیں ۔
اور دریافت کرتے ہیں کہ :۔

اگر کوئی مسلمان اسلام کو چھوڑ دے تو اسے پھر مسلمان (محمدی) ، نہیں کہا جا سکتا ۔ کوئی عیسائی مسلمان ہو جائے تو پھر اسے عیسائی نہیں کہہ سکتے ۔ اسی طرح اس علاقہ میں کہ جہاں ان دنوں اُد کی عبادت نہیں کی جاتی کسی شخص کو

کس طرح ایرین یا آریا کہا جا سکتا ہے؟

پھر اس سوال کی وضاحت میں لکھتے ہیں کہ :۔

حقیقت یہ ہے کہ ایک دوسرے اہم مسئلہ پر بھی غور و فکر نہیں ہوئی۔ ہماری زندگی میں چار امور ایسے ہیں کہ انکی نوعیت ایک دوسرے سے جدا بھی ہے اور ایک دوسرے سے متعلق بھی۔ عربی زبان اور عالموں کی اصطلاح میں اسے "عموم خصوص من وجہہ" کہتے ہیں اور اگر ان عموم خصوص من وجہہ پر غور و فکر کی جائے تو بہت سی غلطیاں اور غلط فہمیاں دور ہو سکتی ہیں وہ چار امور یہ ہیں :۔

(۱) ایک ملک کا اپنا مخصوص نام ہو لیکن اس ملک کے رہنے والے اس کے اصلی باشندے نہ ہوں۔

(۲) ایک ملک میں کوئی مخصوص مذہب رائج ہو لیکن اس کے عام باشندے اس مذہب کے پیروکار نہ ہوں۔

(۳) ایک ملک کی کوئی مخصوص زبان ہو، لیکن اس میں رہنے والے دوسری زبان بولتے ہوں۔

(۴) ایک ملک میں ایسے باشندے ہوں جو زبان تو اس ملک کی بولتے ہوں لیکن نسلاً جدا ہوں

ان چاروں امور کی مثال پیش کرنے کے لئے ہم عرب ممالک کو لیتے ہیں :۔

(۱) جزیرۃ العرب میں مقیم وہ لوگ جو نسلاً عرب نہیں ہیں

(۲) حجاز میں امریکن تیل کمپنیوں سے تعلق رکھنے والے امریکن آباد ہیں لیکن وہ مذہباً عیسائی ہیں۔

(۳) حجاز میں ترک ازبک، قازق، اپنی اپنی زبان بولتے ہیں

(۴) شام کے علاقہ میں کرد عربی زبان بولتے ہیں لیکن وہ عرب نہیں۔

مندرجۂ بالا تحریر کی روشنی میں ایرین ایک دیرینہ قومیت تھی، جس کی بنیاد مذہب آتش پرستی پر تھی اور یہ اُس وقت ایرین یا آریا تھی کہ جس وقت تک اُر کی عبادت کرتی رہی اور اس کا ان کے کلدانی، آثوری تنقباتی یا بنی اسرائیل بنی طے یا کسی دوسری قوم یا نسل پر اثر نہ پڑ سکتا تھا[1]

لیکن اس کے بعد یہ لوگ ایمان لے آتے اگر ابھیں کوئی ایرین یا آریہ پکارے تو اس کی ایسی ہی مثال ہے جیسے آج کوئی کسی مسلمان کو عیسائی، یہودی یا ہندو کہہ دے بلا شبہ اس سرزمین پر ایسے علاقے بھی موجود ہیں کہ

---

[1] یعنی وہ مذہباً جو ایرین یا آریہ کہلاتی تھی۔ لفظ آریہ کا ان کی نسل سے کوئی تعلق نہ تھا

جن کے ناموں میں لفظ اُد موجود ہے اور جہاں اُد کی عبادت بھی کی جاتی رہی اور پھر بعد میں لفظی ترکیب سے قوم اس نام سے موسوم ہوئی، مثلاً ارمنی آرامی لیکن ان الفاظ کی ترکیب کچھ ایسی ہے کہ جس سے یہ شبہہ پیدا نہیں ہوسکتا کہ ارمنی یا آرامی سے مراد وہ لوگ ہیں جو اُد کی عبادت کرتے ہوں اس کی مزید وضاحت ہندی اور ہندو کی مثالوں سے ہوسکتی ہے۔ مثلاً اگر کوئی شخص کسی کو ہندی پکارے تو اس سے ہمیشہ ہند میں رہنے والے مراد لئے جاتے ہیں لیکن ہندو کہا جائے تو اس سے یہی شبہ ہوتا ہے کہ بُت پرست یا مشرک ہے۔ حالانکہ ہندو کی و اور ہندی کی ی دونوں حروف نسبت ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ بعض حروف نسبت سے حالت وصفی مراد لی جاتی ہے اور بعض سے حالت نوعی پشتو کے حروف نسبت یا اور ین سے حالت نوعی ہی مراد لی جاتی ہے۔ مثلاً خورین اس مٹی کے برتن کو کہتے ہیں کہ جس کی نوع مٹی ہو۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ نسبتی اسمار میں یہ بھی دیکھنا ہوتا ہے کہ منسوب الیہ ہے کیا، اگر کسی شخص کو جرمنی پکارا جائے تو ہوسکتا ہے اس سے جرمن نسل مراد لی گئی ہو حالانکہ مذہباً وہ شخص عیسائی یہودی یا محمدی ہو۔ لیکن اگر یورپ کے کسی شخص کو عیسائی کہہ دیا جائے تو یہ پکار مذہبی نسبت سے ہوگی لفظ ا ایسائ

آدامی اور آریائی میں یہی فرق ہے۔ ادیسائی اور ادامی
سے ادسشاد اور آدام کے باشندے مراد لیئے جائیں گے
جبکہ آریائی سے وہی شخص مراد ہوگا کہ جو مذہباً آریہ ہو۔
محمدی وہی شخص ہے جو حضرت محمدؐ کے دین کا پیروکار ہوگا۔
اور اگر لفظ محمد کے ساتھ کوئی دوسرا لفظ موجود ہو مثلاً
محمد آباد تو وہاں کے رہنے والے کو محمد آبادی پکارا جائے گا
تو پھر یہ شبہہ پیدا نہیں ہو سکتا اور وہ اس جگہ کا باشندہ ہی
خیال کیا جا سکتا ہے۔ . . . . .

ان وجوہات سے میرا نظریہ یہ ہے کہ :-

"ایرین یا آریہ نسل کا نام نہیں۔ کل ایرین یا آریہ کے نام سے
ایک ملت موجود تھی لیکن وہ آگ کی پرستار تھی آج قرآن پاک کے
مبارک الفاظ تِلْكَ أُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ لَهَا مَا كَسَبَتْ
وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ کی روشنی میں وہ دین اور آئین
ہماری اس سرزمین پر باقی نہیں رہا۔ تو اس علاقہ کو ایرین
آریہ، اریانا پکارنا ایک اہم علمی و تاریخی غلطی ہے۔ [1]

---

[1] قاضی عبدالحلیم اثر نے اپنے مقالہ میں جس اُد کا حوالہ دیا ہے وہ قدیم اقوام کی روایات کے مطابق ایک معبود کا نام ہے جس کی منتن۔ سمی رین۔ کلدانیوں کے عہد میں خاص اہمیت سے پرستش کی جاتی تھی اور اسی کی نام کی نسبت سے تاریخ کا مشہور شہر اُدا آباد ہوا جسے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا مولد و مسکن کہا جاتا ہے۔ یہ شہر

یہ جدید ترین نظریہ اہم بھی ہے اور دلچسپ بھی اہل علم اور تاریخ سے دلچسپی رکھنے والے افراد ملت کو جغرافیائی قیود اور نسلی امتیازات کو پس پشت ڈالتے ہوئے ٹھنڈے دل سے اس مسئلہ پر غور کرنا چاہیئے، ہماری خواہش تو یہی تھی کہ اثر صاحب کے مقالہ کا مکمل اردو ترجمہ شائع کردیں مگر اس وجہ سے کہ مقالہ از خود نامکمل شکل میں ہے، دوسرے وقت کی تنگی اور قلت گنجایش بھی اجازت نہیں دے رہی ہے تاہم .... اس مسئلے سے متعلق کہ آرین نامی

آتش پرستی کا مرکز ہونے کی وجہ سے خاص اہمیت رکھتا تھا۔ ایک قدیم ترین کتاب گنزا GANZA کے مطابق موجودہ دنیا کی پیدایش سے قبل ایک روشن عالم تھا اور دوسرا تاریک یا سیاہ جس میں ایک منحوس ڈائن رہتی تھی جسے منڈن قوم روحا کے نام سے پکارتی ہے اُد اسی روحا کا بیٹا بتایا جاتا ہے جو بدکرداری یا نحوست میں اپنی ماں ہی کا نمونہ تھا۔ کہا جاتا ہے کہ موجودہ دنیا کے آفرینش سے قبل اسے قابو میں کر لینا ضروری تھا۔ ورنہ یہ دنیا پیدا کرنی ہی مشکل ہو جاتی۔ چنانچہ مذکورہ گنزا کے قول کے مطابق منڈا یا اس کے بیٹے ہابیل نے اُد کو زمین میں ڈالکر بھاری زنجیروں سے جکڑ دیا اس پر پہرے بٹھا دئے گئے یا ایک دوسری رائے کے مطابق اُد کو اس کی تاریک دنیا میں ہی بند کر دیا تھا۔

کہا جاتا ہے کہ روشن عالم سے ابے تھر نامی کسی چیز نے تاریک عالم پر نظر ڈالی تو اس میں اسے اپنی شکل دکھائی دی جس پر اس نے ایک مستقل شکل اختیار کی اور یہ شکل ہابیل کہلائی۔ اس طرح اس ہابیل میں "تاریک عالم" کا اثر پیدا ہو گیا اسے کہا گیا کہ وہ ایک ٹھوس عالم پیدا کرے لیکن وہ اسے اس وقت تک بنانے میں کامیاب نہ ہوسکی جب تک کہ ہابیل نے اپنی کچھ روشنی اس میں داخل نہ کر دی۔ اس سے کچھ حصہ روحا نے بھی لیا کیونکہ وہ جانتی تھی کہ اس تعمیر میں کچھ حصہ اس کے پانی سے بنا تھا۔ ان وجہات سے ہماری دنیا تاریک مواد سے تیار ہوئی، جس میں معمولی سی روشنی بھی شامل ہے۔

ہابیل نے روحا کے بیٹوں کو جن میں اُد خاص اہمیت رکھتا ہے چاند اور نظام شمسی کی دوسری اشکال میں تبدیل کر دیا تو انھوں نے ہی آدم کا جسم بنایا اور ہابیل نے "خزانۂ زندگی" سے لاکر اس جسم میں زندگی ڈال دی۔ ان روایات سے اُد کی طاقت و عظمت کا پتہ چلتا ہے۔

نسل دنیا میں موجود تھی یا نہ۔ چند اقتباسات کا اردو ترجمہ پیش کر دیا گیا ہے جس سے آغاز بحث کیلئے کافی مواد مل سکتا ہے۔ اگر اثر صاحب اس مقالہ کو مکمل کر کے اس کا اردو ترجمہ شائع کر دیں تو ملت کے وہ افراد بھی ان کے نظریہ سے آشنا ہو سکیں گے کہ جو پشتو زبان سے واقفیت نہیں رکھتے۔

اس جدید نظریہ کو پیش کرنے کے بعد ہم نے ازادتاً پٹھانوں کے سامی النسل یا ایرین سامی ہونے کے مسئلہ پر مزید کچھ لکھنا بدیں وجہ ضروری خیال نہیں کیا کہ اگر اس جدید نظریہ کو تسلیم کر لیا گیا یا اسے لکھنے والوں کی اکثریت نے اپنا لیا تو لازماً صرف مذکورہ دونوں نظریئے زیر بحث آئیں گے۔ ایسی صورت میں بہتر یہی ہے کہ جدید نظریہ پر لکھنے والوں کا ردعمل دیکھا جائے۔

ملّت افاغنہ کا دورِ گزشتہ

امن و چین کا فقدان پٹھانوں کو بنی اسرائیل تسلیم کیا جائے یا آرین دونوں صورتوں میں اس قوم کی زندگی پر آشوب دکھائی دیتی ہے۔ تاریخ کی ورق گردانی سے پتہ چلتا ہے کہ وقت کے کسی دور میں بھی انھیں امن و چین سے ایام زندگی بسر کرنے کی فرصت نہ ملی اگر ابتداءً وہ فلسطین یا کوہ ہندوکش پار کے وطن عزیز کو خیر باد کہنے پر مجبور ہوئے تھے تو بعد میں دنیا کی دوسری اقوام نے بھی انھیں اپنے مظالم کا نشانہ بنایا ہر طرف سے ان پر یورش ہوئی۔ ہر اٹھتی طاقت نے انھیں کچل دینا چاہا ہر جابر حکمران نے ان کے گلے میں طوق غلامی ڈالدینے کی کوشش کی۔ لیکن تاریخ کی یہ عظیم بہادر اور نڈر قوم کسی وقت بھی ان مصائب و آلام سے دب نہ سکی اس نے ہر آنے والی استبدادی رو کا شدت سے مقابلہ کیا اور اگر بخت نصر جیسا حکمران اسے اپنا ہمنوا نہ بنا سکا تو

اس کے بعد ہندوافغانستان کے درمیانی پہاڑی علاقوں میں بھی کوئی طاقت اسے غلامی کی زنجیر پہنانے میں کامیاب دکھائی نہ دی۔ تحفظ آزادی کے لئے مر مٹنے کے جذبہ نے اسے ہر حکمران کی نظر میں خار بنائے رکھا اور مشرق و مغرب دونوں اطراف سے اس کے اس جذبہ کو ملیامیٹ کر دینے کی ناکام کوششیں ہوتی رہیں۔

غیر تو غیر تھے ہی افسوس تو یہ ہے کہ انہوں نے بھی کچھ کم جور و ستم کی بارش نہ کی۔ اکثر و بیشتر وہ حکمران بھی کہ جو اس قوم سے مذہبی تعلق رکھتے تھے جو پٹھانوں ہی کی طرح اسلام کے نام لیوا، خدا و رسول کے ماننے والے اور مذہبی معاملات میں برابر کے شریک تھے اپنے اغراض کے پیش نظر اس قوم کو سیاسی قربان گاہ پر قربان کرتے رہے۔ شاہی اغراض کے لئے ان کی قربانیوں کو سراہا گیا لیکن اس قوم کی فلاح و بہبود اور ترقی کے لئے وہ کوئی اقدام نہ کر سکے۔

انگریز ہندو اتحاد

جب وہ دور گزر چکا، سات ہزار میل دور سے آتی ہوئی انگریز قوم پٹھانوں پر اثر انداز ہونے لگی تو اس کے پہلو میں ابتدا ہی سے ہندو جا گزیں ہوا، اب ان دونوں نے مل کر ملت افاغنہ کو کچل دینا چاہا انگریز کو حصول اقتدار اور وسعت سلطنت کی فکر تھی تو ہندو اپنی صدیوں کی محکومی کا بدلہ لینے کیلئے بیقرار تھا۔ چنانچہ جب انگریز نے اپنی طاقت و قوت سے اس قوم کو نیچا دکھانا چاہا تو ہندو نے نہایت ہی عیارانہ طریقہ پر پٹھان کی تعریف شروع کر دی۔ انھیں مرد شمشیر زن ظاہر کرنے کے ساتھ جذبہ شمشیر زنی کی بقا کے لئے شمشیر زن رہنے کی تلقین کی اپنے آپ کو کمزور و محتاج ظاہر کرتے ہوئے پٹھان کو بہادر و نڈر تسلیم کرنے کا ڈھونگ رچا کر اسے یوں سبق دیا جانے لگا کہ باعزت پیشہ صرف کھیتی باڑی ہے۔ مرد میدان سوائے کھیتی باڑی کے دوسرا کام نہیں کرتے اور اس طرح تجارت، صنعت و حرفت اور دوسرے شعبہ ہائے زندگی

لیے اور اپنے آقایان ولی نعمت کے نام مخصوص کرالیے۔ باقی رہی تعلیم تو وہ دو حصوں میں تقسیم ہو گئی قدیم و جدید۔ چونکہ ملت کو شمشیر زنی سے فرصت نہ مل سکتی تھی اس وجہ سے تعلیم قدیم یا بالفاظ صحیح مذہبی تعلیم کو ایک خاص طبقہ کے قبضہ قدرت میں دیدیا گیا۔ اور اغیار کی چالبازیوں کا شکار ہو کر تعلیم جدید کو "کافروں کا علم" پکارنے لگے۔ ان حالات میں اس قوم کیلئے زندگی گذارنے کو دو ہی راستے باقی رہ گئے تھے کہ یا تو کھیتی باڑی کرے یا شمشیر زنی اور اگر کھیتی باڑی کیلئے پھر زمین ہی میسر نہ آئے تو حالات سے مجبور ہو کر وہ سب کچھ کر گزرے کہ جو بقائے حیات کیلئے ضروری ہو۔ کہ اگر شریفانہ طریقہ پر اس نے کھیتی باڑی ہی شروع کر دی تو ہمارے ہندو برادران وطن موجود تھے جو ہاتھ جوڑے ہوئے ہر وقت ہر خدمت کیلئے تیار نظر آئے انھیں "خان صاحب، خان صاحب" کی رٹ لگانے میں کوئی عار نہ تھی۔ سخت و سست سن لینے میں کوئی ذلت نہ تھی مطلب کی نہی انکا مقصد اور کھیتی باڑی پٹھان کا مشغلہ۔ ہندو اس کا خزانچی بن بیٹھا، زمین سے اگی ہوئی دولت اس خزانچی کے پاس جمع ہو جاتی رہی، پوری ملت اس اقلیت کے ہاتھ میں تھی پٹھان مالک ہوتے ہوئے گاؤں کے بنیا کا محتاج رہا، اپنی دولت، اپنا مال، اپنی ضرورت کے لئے ہندو سے مانگ کر لیتا، شب و روز محنت و مشقت سے ہل چلاتا، کاشت کرتا، لیکن زمین کی ساری پیداوار ہندو کے قبضہ قدرت میں دیکر بھی بوقت حساب و کتاب۔ خود ہندو کا قرضدار دکھائی دیتا رہا۔ اس طرح ایک طرف انگریز نے انھیں سیاسی حیثیت سے لوٹ لینا چاہا تو دوسری طرف مالی حیثیت سے ہندو اس کی جیب خالی کر رہا تھا۔ اسکی تمام خوبیوں کو برائیوں سے بدل کر دنیا میں اسے بدنام کیا جاتا رہا۔ منظم طریقہ پر اسکی خلاف پروپیگنڈا ہوا اسے دنیا میں وحشی جنگی اور خدا جانے کن کن ناموں سے یاد کیا جانے لگا اور اسے وحشی اور درندہ ثابت کرنے کو کوئی کسر

باقی نہ رہنے دی گئی تا آنکہ خود ایک انگریز کو تسلیم کرنا پڑا تھا کہ :-

"بد قسمت پٹھان کی سیرۃ نصف صدی سے مصنفین کے ہاتھوں پارہ پارہ ہوتی رہی اور وہ دل کھول کر غدار، خونخوار اور ظالم کی اضافتیں لگاتے رہے تا آنکہ پٹھان کو بدترین قسم کا وحشی پکارا جانا فیشن بن گیا" [1] -

ان تمام مذکورہ مصائب و آلام، ان تمام مشکلات اور ان تمام رکاوٹوں کے باوجود پٹھان قوم نے کبھی ہمت نہ ہاری، بلاشبہ وہ اپنے وطن عزیز میں سوائے کھیتی باڑی اور تحفظ آزادی کے اور کوئی کام نہ کر سکی لیکن اس سے کون انکار کر سکتا ہے کہ بیرونی اطراف پر عمل پیرا ہوتے ہوئے اس نے مختلف علاقوں میں ایسے کارہائے نمایاں کیے کہ جن پر جتنا بھی فخر کیا جائے کم ہے، متحدہ ہند میں روحانیت پھیلانے کا اہم ترین کام اسی قوم کے کندھوں پر رہا اور ہندوستان میں روحانی روشنی پھیلانے کے اکثر و بیشتر ذمہ دار بزرگ اسی قوم پٹھان سے تعلق رکھتے تھے، علم و عرفان کی بارش اسی قوم کے افراد نے کی اشاعت اسلام کے فریضہ کی ادائیگی کو بھی یہی پٹھان سرانجام دیتے رہے، یہی نہیں بلکہ وہ بہترین حاکم، منتظم اور حکمران بھی ثابت ہوئے انھوں نے سالہا سال تک ہندوستان پر کامیاب ترین حکومت کی اور مرتے مرتے بھی اس سرزمین پر مختلف ناموں سے اپنی چھوٹی چھوٹی حکومتیں "ریاستوں" کی شکل میں باقی رکھ لینے میں کامیاب رہے۔ اور اس وقت حکومت پاکستان کے اعلیٰ عہدوں پر بھی سرفراز دکھائی دے رہے ہیں۔

---

[1] پٹھان باڈرلینڈ از ازیکوائر: د ۱۹۰۰ء
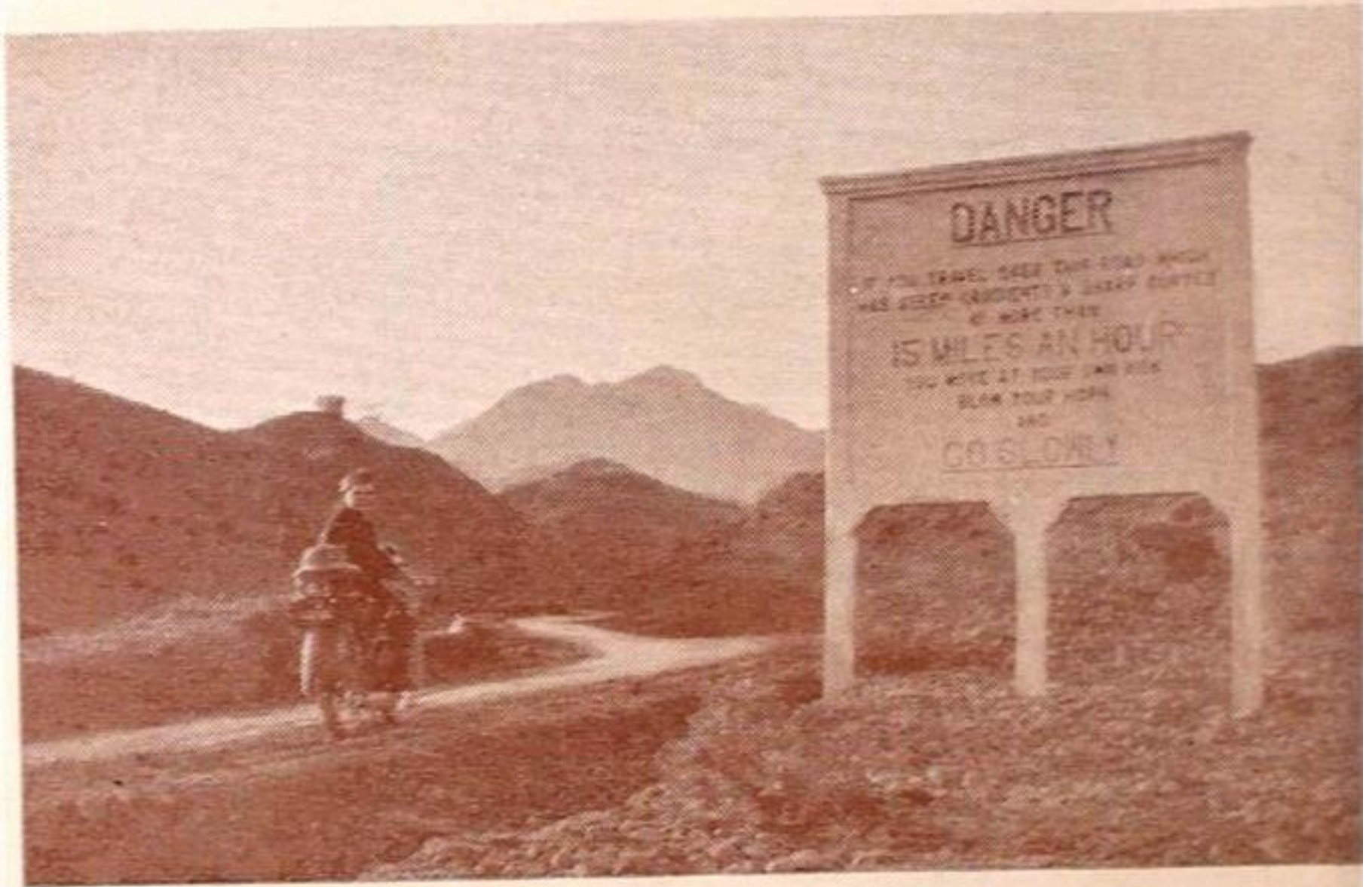
درہ کوہاٹ میں داخلہ پر احتیاط کیجئے
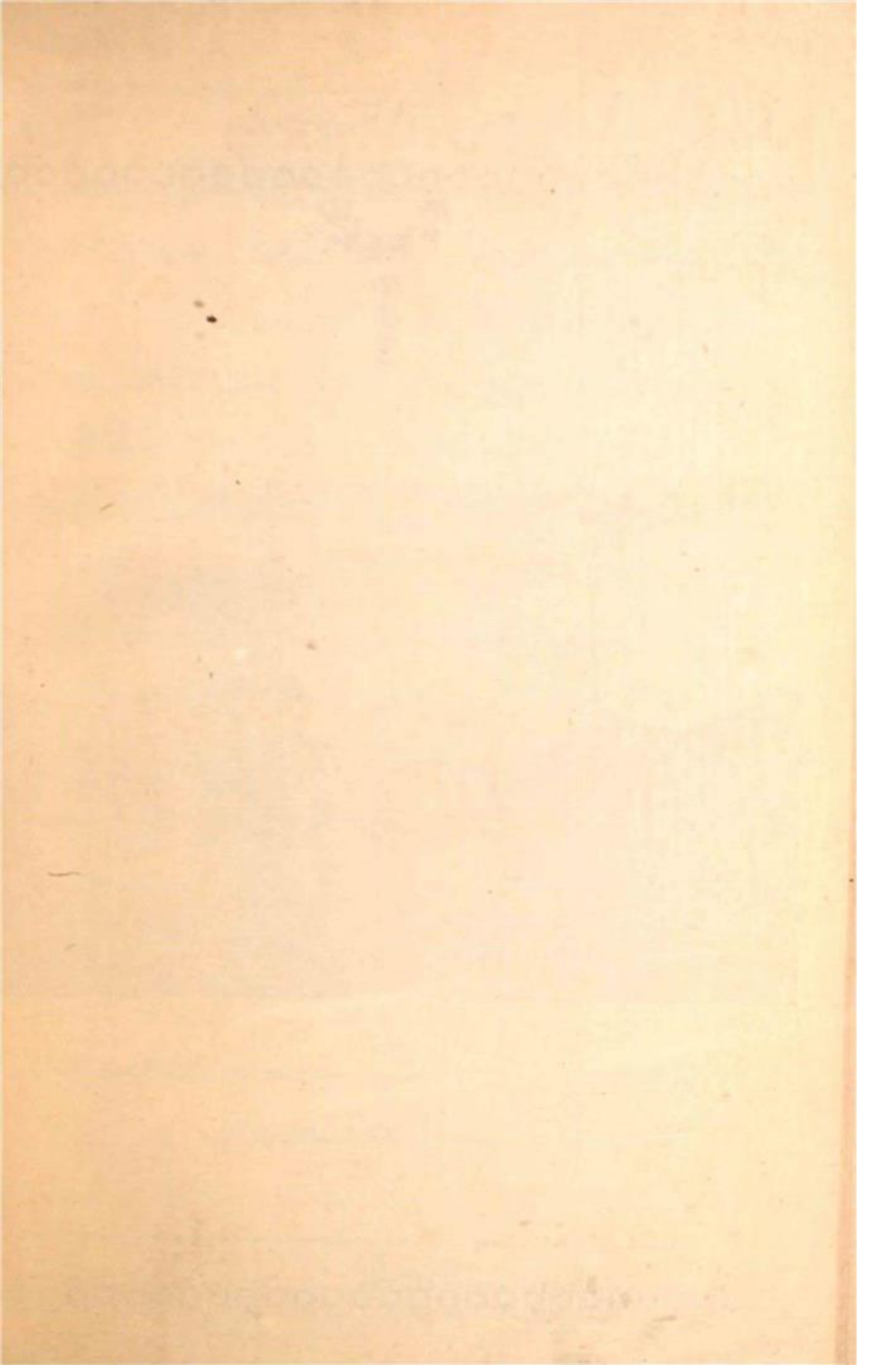
درہ کوہاٹ

درہ کوہاٹ

محل وقوع درہ کوہاٹ پشاور کے جنوب مغرب میں پشاور اور کوہاٹ کے درمیان ایک خشک ندی کی شکل میں واقع ہے۔ گو عام طور یہ ندی خشک رہتی ہے اور اس میں نام کو بھی پانی دکھائی نہیں دیتا تاہم موسم برسات میں ارد گرد کی پہاڑیوں کے پانی سے بھرپور ہو کر ایک قابل ذکر ندی کی شکل اختیار کر لیتی ہے اور سڑک چونکہ ندی کی سطح سے کافی بلندی پر پہاڑیوں کو کاٹ کر بنائی گئی ہے اس وجہ سے آمد و رفت میں کسی قسم دقت محسوس نہیں ہوتی۔

یہ درہ پشاور سے کوئی بیس میل کے فاصلہ پر سفید خانہ کے قریب سے شروع ہو کر کوہاٹ سے کوئی پانچ میل دور کوتل کے مقام پر ختم ہو جاتا ہے درہ میں داخل ہونے پر آفریدیوں کی پہلی آبادی عامل چبوترہ کے نام سے دکھائی دیتی ہے اور اس کے بعد چھ سات میل تک کا راستہ یا سڑک میدانی علاقہ کی

شکل میں ہے جہاں درہ کی چوڑائی چار سو گز سے آٹھ سو گز ہے۔ اس کے بعد تیزی سے بلندی پر جانا پڑتا ہے۔ سڑک موڑ در موڑ بلکہ خطرناک راستہ کی شکل اختیار کر لیتی ہے اور بعض مقامات پر یہ موڑ ایسے خطرناک اور سڑک اتنی تنگ ہو جاتی ہے کہ اگر طرفین سے آنے والی تیز رفتار گاڑیاں بلا ہارن بجائے رفتار سے نکل جانا چاہیں تو حادثات کا احتمال ہی نہیں بلکہ یقین ہونے لگتا ہے۔

درہ میں ایک سر سے دوسرے سر تک جگہ جگہ قبائلیوں کے قلعہ نما مقامات دکھائی دیتے ہیں۔ ہر خاندان نے اپنے لئے مکمل تحفظات کا انتظام کر رکھا ہے اور چونکہ قبائلی علاقہ میں اجتماعی آبادیوں کا رواج نہیں اس وجہ سے ہر خاندان ہی نہیں بلکہ بعض اوقات ایک خاندان کے سربرآوردہ اشخاص بھی اپنے لئے جدا جدا قلعے تعمیر کرنا ضروری خیال کرتے ہیں۔ کیونکہ قبائلی علاقہ میں کوئی بھی ایک دوسرے کے معاملات میں مداخلت نہیں کرتا نہ اسے وہ برداشت کر سکتا ہے۔

درہ میں کی سڑک کا انتظام اور اس سڑک کی نگرانی فرانٹیر کنسٹبلری[1] کے سپرد ہے جس کی دو مضبوط چوکیاں درہ کے دونوں سروں پر قائم ہیں اور چند چوکیاں اندرونی علاقہ میں بھی تعمیر کی جا چکی ہیں آمدرفت عام طور دن کے وقت ہی ہوتی ہے اور رات کو یہ راستہ بند رہتا ہے سوائے مخصوص حالات کے جبکہ متعلقہ حکام کسی شخص کو رات کے دوران میں درہ سے گزرنے کی اجازت دے دیں۔

---

[1] فرانٹیر کنسٹبلری کے متعلق دیکھو تاریخ آزاد پٹھان جلد اول

آبادی درہ کی قریب قریب تمام تر آبادی آفریدیوں کے قبیلہ آدم خیل پر مشتمل ہے[1] ۔ اور رسم ملک کے مطابق ذیلی قبائل میں منقسم ہے جن میں حسن خیل، آشو خیل، گلائے اور جواکی خاص طور قابل ذکر ہیں پھران ذیلی قبائل کی بھی کئی کئی شاخیں ہیں۔ چنانچہ قبیلہ حسن خیل، تاترہ خیل یا اخوڑوال اور جاناخواڑ نامی دو مشہور قبیلوں میں تقسیم ہے۔ ان میں موخرالذکر جاناخواڑ درہ کے جنوبی علاقہ میں مقیم ہے اور اس کی مشہور آبادیاں اخوڑ اور زرغن پکاری جاتی ہیں۔ جب کہ اخوڑوال درہ کے مغربی علاقہ میں آباد ہے جو وادئی جاناخواڑ اور وادئی کوہی کے نام سے مشہور ہے۔ مغربی علاقہ کے آخری حصہ میں قبیلہ گلائے کی شاخ یوسنی خیل کی بستیاں ہیں جو مسلسل سنڈہ بستہ نامی مقام تک کئی میل رقبہ گھیرے ہوئی ہیں اس کے آگے کچھ علاقہ شراکی اور کچھ تعلیم خیل کے قبضہ میں ہے۔ ان کے ساتھ شمال کی طرف قبیلہ زرغن خیل کے ذیلی قبائل محمد خیل، ملاخیل، اور قاسم خیل آباد ہیں اور یہ سلسلہ آبادی بلوسین تک پھیلا ہوا ہے۔ درہ کوہاٹ کی کلیتہً آبادی حقیقتہً آفریدیوں کے قبیلہ آدم خیل پر مشتمل ہے۔ لیکن انگریز نے اپنے سیاسی اغراض کے پیش نظر قبیلہ اورک زئی اور قبیلہ بنگش کو بھی درہ کوہاٹ یا واضح الفاظ میں سیاستہً درہ کوہاٹ میں شامل کر دیا تھا۔[2]

راستے درہ کوہاٹ اور اس کے اردگرد کے علاقہ میں چھوٹے چھوٹے پہاڑی راستے

---

[1] پٹھانوں کے سلسلہ نسب کے متعلق جلد اول میں تفصیل سے بحث کی جا چکی ہے۔

[2] کتاب کے آخر میں دیکھو ابواب "اورک زئی"۔ "بنگش"۔

پگھڈنڈیاں اور قدیم طرز کی سڑکیں ہیں۔ البتہ پشاور سے کوہاٹ تک درہ سے گزرنے والی سڑک پختہ ہے۔ جسے انگریز نے اپنے سیاسی اغراض کے پیش نظر تعمیر کرایا تھا۔ اور جس کی تعمیر کے سلسلہ کی ہنگامہ آرائیوں کا تذکرہ اس کتاب کے متن میں بلیکگا اس سڑک کی تعمیر سے قبل کچی پہاڑی سڑک کو ہی شاہراہ کے طور استعمال کیاجاتا تھا قدیم کھنڈرات پر نظر ڈالی جائے تو اس جدید سڑک سے کچھ ہٹ کر ایک دوسری سڑک کے نشانات ملتے ہیں جو مقامی باشندوں کی زبان میں "راجواڑہ لار" کے نام سے موسوم ہے اور جس سے مقامی باشندوں نے یہ روایت وابستہ کر رکھی ہے کہ اسے مرزا ۔۔ نے تعمیر کرایا تھا اور اسی سڑک کے ذریعے وہ صاحبان کو ملنے جایا کرتا تھا[1]۔ حقیقت یہ راستہ اس سڑک کے بچے کچے نشانات ہیں جو زمانہ بدھ مت کے عروج میں تعمیر کرائی گئی تھی۔

صنعت وحرفت پیداوار

درہ کوہاٹ کی اہم ترین صنعت اسلحہ سازی ہے۔ پشاور کی طرف سے درہ کوہاٹ میں داخل ہونے کے کوئی چھ سات میل دور لب سڑک اسلحہ سازی کے کارخانے دکھائی دیتے ہیں۔ جہاں بہترین قسم بندوقیں ریوالور اور دوسرے اقسام کا اسلحہ تیار کیا جاتا ہے۔ یہاں کسی تعزیرات پاکستان کا نفاذ نہیں۔ کسی ایکٹ اسلحہ کی حکومت نہیں۔ اس وجہ سے تمام کاروبار آفریدیوں کے اپنے غیر تحریر شدہ قانون یا روایت کے تحت سرانجام پاتے ہیں۔ یہ نہیں کہا جا سکتا کہ اسلحہ سازی

---

[1] یہ نام ایک مشہور رومان سے وابستہ ہیں۔

کا آغاز اس علاقہ میں کب سے ہوا اور کس نے شروع کیا۔ البتہ مقامی حالات و روایات کے پیش نظر کہا جاتا ہے کہ اس کا وجود بہت قدیم سے ہے اور خیبر ایجنسی کے علاقہ راجگل علم گودر اور درہ کوہاٹ کو قدیم سے اسلحہ سازی کے لئے شہرت حاصل رہی ہے۔ اس صنعت نے بیسویں صدی کے شروع سے خاص شہرت حاصل کی اور اس کی وجہ یہ تھی کہ اس دور میں پنجاب کے بہت سے کاریگر حالات زمانہ سے مجبور ہو کر اپنے وطن کو خیرباد کہتے ہوئے اس علاقہ میں جا مقیم ہوئے تھے۔

یہاں اسلحہ عام طور ہاتھوں سے تیار کیا جاتا ہے کیونکہ مشینوں کا نصب کرنا ان لوگوں کے بس کی بات نہ تھی۔ لیکن اس کے باوجود انہوں نے اس صفائی۔ نفاست اور خوبی سے اسلحہ تیار کیا کہ بڑے بڑے ماہرین بعض اوقات یورپی اور درہ کی ساخت میں تمیز نہ کر سکے۔ اسلحہ کی تجارت بڑے وسیع پیمانہ پر کی جاتی ہے۔ خرید و فروخت پر کسی قسم قانونی پابندی نہیں۔ لب سڑک یہ اسلحہ فروخت کیا جاتا ہے۔ البتہ اس اسلحہ کو مقبوضہ علاقے میں بلا لائسنس لے جانے کی اجازت نہیں ہے۔

آدم خیل عام طور تجارت پیشہ ہیں اور زیادہ تر باربرداری کا کام کرتے ہیں۔ ابتدا میں ان کے پاس گدھے، بیل اور اونٹ تھے رفتہ رفتہ حالات تبدیل ہوئے تو ذرائع باربرداری میں بھی تغیر نظر آنے لگا اور درہ کی پختہ سڑک پر ان قبائلیوں کے پاس موٹر۔ ٹرک اور لاریاں دکھائی دینے لگیں۔ آدم خیل فوج۔ پولیس اور دوسری ملازمتوں میں بھی دکھائی دیتے

ہیں۔ وہ پاکستان کے قریب قریب ہر علاقہ میں پھیلے ہوئے عام طور موٹر ڈرائیوری یا چوکیداری کا پیشہ اختیار کئے ہوئے ہیں ایک خاصی تعداد تجارت پیشہ بھی ہے۔ ان کی بڑی تعداد تلاش معاش میں وطن سے نکل کر دور دراز ممالک تک کا سفر کرتی ہے اور بیرون پاکستان نظر دوڑائی جائے تو وہ بھارت، آسام۔ سیلون۔ آسٹریلیا۔ یورپ اور امریکہ تک میں مصروف عمل دکھائی دیتی ہے۔

درہ کوہاٹ کلیتہً پہاڑی علاقہ ہونے کی وجہ سے وسیع پیمانے پر قابل کاشت نہیں۔ چھوٹے چھوٹے کھیتوں کی شکل میں کاشت کی جاتی ہے اور اس سے کوئی ایسی قابل ذکر برآمد نہیں ہوتی جو خود ان کی اپنی ضروریات کے بھی کفیل ہو سکے۔ سوائے پیٹھ کے جو خود رو بکثرت پیدا ہوتا ہے اور ایک اہم لفع بخش تجارت کی شکل حاصل کئے ہوئے ہے اس سے اعلیٰ قسم چٹائیاں رسیاں ٹوپیاں پنکھے جھاڑو اور دوسری قسم اشیار تیار ہو کر پاکستان اور بھارت کے دور دراز علاقوں تک پہنچائی جاتی ہیں۔ معدنیات میں ان کی سب سے بڑی دولت نمک ہے جس کی تفصیل آئندہ اوراق میں ملے گی۔

مذہب و تعلیم

درہ کوہاٹ کے باشندے کلیتہً مسلمان اور حنفی المذہب ہیں۔ انہیں باہمی جنگ و جدل اور ملک میں کسی باقاعدہ حکومت کی عدم موجودگی کی وجہ سے بھلا اتنی فرصت کہاں مل سکتی تھی کہ وہ اپنی اندرونی اصلاح کی طرف متوجہ ہوتے۔ تعلیم کی فکر کرتے یا دوسرے اصلاحی معاملات پر سوچ بچار کر سکتے۔ نتیجہ یہ ہے کہ اس

علاقہ میں نہ تو تعلیم کا کوئی اعلیٰ بند و بست ہو سکا نہ سماجی و معاشری اصلاحات کی طرف کوئی توجہ دی جا سکی۔ مذہب سے لگاؤ کی وجہ سے صرف مذہبی تعلیم کو ضروری خیال کیا گیا۔ لیکن یہ اقدام بھی اس سے آگے نہ بڑھ سکا کہ بچوں کو مساجد میں بھیجکر صرف قران شریف کا پڑھنا سکھایا گیا۔ وہ اس کے معنے اور مطالب سے نا آشنا رہے۔ باقی تمام مذہبی مسائل ملاؤں کے قبضہ قدرت میں دے دیئے گئے شریعت اسلامیہ کا نفاذ یا قران وحدیث کی تعلیم اور اس کی غرض وغایت ان ملاؤں کی تشریحات کی طابع ہو کر رہ گئیں۔ حکم خدا اور رسول کو انہی معنوں میں صحیح تسلیم کیا گیا کہ جو معنے ان ملاؤں نے تبلائے۔ یہی وجہ ہے کہ قبائلی علاقہ میں ان لوگوں کو کافی اثر ورسوخ حاصل رہا۔ عام باشندے اسلام کے نام پر مرمٹنے کے لئے ہر وقت تیار رہتے ہیں جذبہ جہاد سے ہر مرد وزن سرشار نظر آتا ہے[1]۔

انگریز نے ۱۸۴۹ء میں صوبہ سرحد کی سرزمین پر قدم رکھا ملک مقبوضہ اور قبائلی دو حصوں میں تقسیم ہوا اول الذکر پر اس کی براہ راست حکومت تھی تو موخرالذکر علاقہ پر وہ اپنا سیاسی اقتدار قائم کرنے کی فکر میں رہا۔ اس دوران میں اور اس کے بعد بھی انگریز نے طول و عرض ہند میں مکتبوں۔ مدرسوں۔ سکولوں اور کالجوں کے جال بچھا دیئے

[1] اس سلسلہ پر جلد اول میں بحث کی جا چکی ہے۔

باشندگان وطن کو زیور تعلیم سے آراستہ کیا جانے لگا۔ لیکن وہی انگریز جو
مقبوضہ علاقہ یا ہندوستان کی سرزمین پر یہ سب کچھ کر رہا تھا ان قبائلیوں
کی تعلیم کے سلسلہ میں کوئی اقدام نہ کر سکا۔ قبائلیوں کے تعلیم یافتہ ہو جانے
کے خوف سے وہ تھر تھراتا رہا۔ اسے فکر دامنگیر رہی کہ اگر یہ لوگ جو پیدائشی
سیاست داں ہیں زیور علم سے آراستہ و پیراستہ ہو گئے تو اسے قیام و
دوام حکومت برطانیہ کے لئے کسی دوسرے میدان کی تلاش جاری رکھنا پڑے
گی۔[1] نتیجہ یہ کہ ۱۹۲۸ء تک وہ چپ سادھے اپنے اغراض کا شکار رہا اس
وقت شاید داغ بدنامی یا لاپرواہی و تغافل کو مٹانے کے لئے اس نے درہ
کوہاٹ میں ایک پرائمری مدرسہ کا افتتاح کیا۔ اتنی سال کے بعد اسے ہوش
آیا بھی تو دماغی پرواز ایک پرائمری مدرسہ کے اجراء تک جا کر رک گئی۔ اس
کے دو سال بعد ۱۹۳۰ء میں جبکہ ہندوستان اور صوبہ سرحد میں قومی تحریکات
اپنے شباب پر تھیں اس نے حاتم کی قبر پر لات مارتے ہوئے بلند خیل کے مقام
پر ایک اور پرائمری مدرسہ کا اجرا کیا اور پھر اس کے دو سال بعد ۱۹۳۲ء میں
اول الذکر مدرسہ کو مڈل اسکول کا درجہ عطا کرتے ہوئے حسب سابق چپ
سادھلی اور قیام پاکستان تک اس تعداد میں کسی اضافہ کی ضرورت کا
خیال نہ کیا۔ یہ اس مہذب انگریز قوم کا کارنامہ ہے جس کی تعلیمی دلچسپیوں
اور تعلیمی کارناموں کے چرچے ہر روز سنے جاتے ہیں۔ اس کی مذکورہ ایک

---

[1] دیکھو "اقدام کی حکمت عملی"۔ جلد اول

صدی کی تعلیمی سرگرمیوں کے مقابل حکومت پاکستان نے صرف گذشتہ دس سال میں (۱۹۵۸ء تک) پچیس مدرسوں کا اجرا کیا جن میں ایک ہائی سکول ایک مڈل سکول اور تئیس پرائمری مدرسے ہیں اور ان میں ڈھائی ہزار کے قریب بچے اور بچیاں تعلیم حاصل کر رہی ہیں۔

نظم ونسق

رسم ملک کے مطابق زمانہ قدیم سے آفریدی بھی دوسری سرحدی قبائل کی طرح قبیلوں میں منقسم اور جرگہ کے ذریعہ اپنے معاملات طے کرتے رہے۔ انگریز نے صوبہ سرحد پر قدم رکھنے کے بعد ان قبائل سے راہ و رسم پیدا کی۔ اور سلسلہ نامہ و پیام کے لئے وقتاً فوقتاً افراد منتخب کئے جانے لگے جو انگریز اور قبائلیوں کے درمیان رابطہ قائم رکھنے کے لئے استعمال ہوئے (تفصیل کتاب کے متن میں ملے گی)

جون ۱۸۸۲ء میں اس طریقہ کار کو ختم کرتے ہوئے برائے راست قبائل سے تعلقات قائم رکھنے کا فیصلہ ہوا۔ تو ڈپٹی کمشنر کوہاٹ نے افسر اعلیٰ کی حیثیت سے یہ ذمہ داری سنبھال لی۔ انتظامی امور کے پیش نظر پھر اس طریقہ کار میں ردوبدل ہوا تو ۱۸۹۶ء میں قبیلہ حسن خیل (سوائے اخوروال) کے اور ۱۸۹۷ء میں کنڈاؤ کے آشو خیل کو ڈپٹی کمشنر کوہاٹ کی نگرانی سے نکال کر ڈپٹی کمشنر پشاور کے زیر اثر ڈال دیا گیا۔ اور پھر ۱۹۲۳ء میں قبیلہ کالاخیل اور جواکی مقیم تیراہ کو پولیٹیکل ایجنٹ خیبر ایجنسی کی نگرانی نصیب ہوئی۔

اپنے اندرونی معاملات میں یہ قبائل اپنے جرگوں کے فیصلوں کے

پابند رہتے ہیں جس کا مفصل بیان جلد اول میں گزر چکا ہے۔

طبی امداد علاج معالجہ کے سلسلہ میں بھی یہ قبائل اپنے قدیم طریقہ علاج پر قائم چلے آتے ہیں۔ علاقہ کے بڑے بوڑھے۔ کوئی نیم حکیم۔ کوئی مولوی یا ضعیف العمر مستورات اپنے اپنے ذاتی تجربات یا دیرینہ روایات کے تحت علاج معالجے کرتے ہیں۔ دم درود جھاڑ پھونک اور تعویذوں سے بھی علاج کیا جاتا ہے اور بڑی تعداد میں مقبروں پر حاضر ہو کر بھی شفار طلب کی جاتی ہے۔ انگریز نے اپنے دور حکومت میں ان باشندگان کو جس طرح تعلیم سے محروم رکھا اسی طرح طبی امداد بھی نہ پہنچائی۔ نہ کسی ہسپتال کا اجرار ہوا نہ کوئی اور طبی سہولت انہیں میسر آئی۔ انگریز کے ایک سو سالہ دور حکومت کے خاتمہ پر جب ملک کا نظم ونسق خود قومی زعمار کے ہاتھ لگا تو انہوں نے اس طرف توجہ دی۔ چنانچہ اس وقت (۱۹۵۸ء) تک درہ میں چند مقامی اطبا کے علاوہ حکومت پاکستان کی طرف سے چھ ڈسپنسریاں (ہسپتال) قائم ہو چکی ہیں اور سفری شفاخانہ کی ایک لاری بھی علاقہ کا گشت کرتی رہتی ہے۔[1]

---

[1] تفصیلات کے لئے دیکھو جلد اول

ابتدائی دور

ابتدائی دور

ابتدائی تاریخ پر غور کی جائے تو باشندگان درہ خیبر اور مقیمین درہ کوہاٹ ایک ہی کشتی میں سوار دکھائی دیتے ہیں۔ دونوں ایک ہی قوم افریدی سے تعلق رکھتے ہیں اور تاریخ کے ہر دور میں برابر کے شریک کار رہے فرق صرف اتنا ہے کہ درہ خیبر کو اس کے اپنے محل وقوع کی وجہ سے جو وقعت یا شہرت حاصل ہوئی وہ درہ کوہاٹ کے حصہ میں نہ تھی درہ خیبر کا راستہ زمانہ قدیم سے ہی ایک بین الاقوامی راستہ کی حیثیت رکھتا تھا جبکہ درہ کوہاٹ کو ایک مقامی راستہ کی حیثیت حاصل تھی اس وجہ سے دونوں راستوں کی شہرت اور افادیت میں نمایاں فرق ناگزیر رہا بایں ہمہ پشاور سے جنوبی اضلاع کی طرف نقل وحرکت کے سلسلہ میں اسے نمایاں حیثیت حاصل رہی اور اگر اسے بین الاقوامی شہرت نہ ملی تو

مقامی اہمیت سے بھی کوئی انکار نہ کر سکا۔ پھر جس طرح درہ خیبر کے راستہ کو آمدرفت کے لئے کھلا اور محفوظ رکھنے کی غرض سے وقت کا ہر حکمران مواجب ادا کرتا رہا۔ اسی طرح درہ کوہاٹ کے راستہ کو کھلا رکھنے کے لئے بھی ہر حکمران رقوماتِ مواجب ادا کرنے پر مجبور تھا۔ کیونکہ اس راستہ کے بند ہو جانے کی صورت میں پشاور سے دوسرے جنوبی اضلاع تک پہنچنے کے لئے سلسلہ آمدرفت اور رسل و رسائل کے لئے شدید ترین مشکلات کا سامنا ناگزیر تھا۔

افریدیوں نے درہ کوہاٹ کی آزادی اور اپنے اقتدار کو بچانے کے لئے بیش بہا قربانیاں دیں تاریخ کے ہر دور میں ان کو کچل دینے کی کوشش ہوتی رہیں۔ اور وقت کے ہر حکمران نے اپنی طاقت اور قوت سے اس مختصر سی قوم کو طوق غلامی زیب گلو کر لینے پر مجبور کر دینا چاہا۔ لیکن افریدی ہر اقدام کا مردانہ وار مقابلہ کرتے رہے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ان کی آزادی کو بار بار دبایا جاتا رہا۔ ان کے گھران کے املاک اور ان کے فصل برباد ہوئے۔ لیکن آگ کی چنگاری بھی آگ ہوتی ہے کہ مصداق جس وقت اس چنگاری کو موقع ملا اس نے اپنے مخالفین کے کیمپ جلا ڈالے اور انگریز جیسی استبداد پسند طاقت بھی جب جور و ظلم سے ان کو رام نہ کر سکی تو بالآخر مواجب ادا کرنے پر رضامند ہو گئی۔

تاریخ کے سرسری مطالعہ سے اس امر کا پتہ نہیں چلتا کہ عہد مغلیہ سے قبل اس علاقہ پر بیرونی حملہ آوروں نے کس کس طرح ظلم ڈھائے

درہ کوہاٹ میں اسلحہ کی تجارت
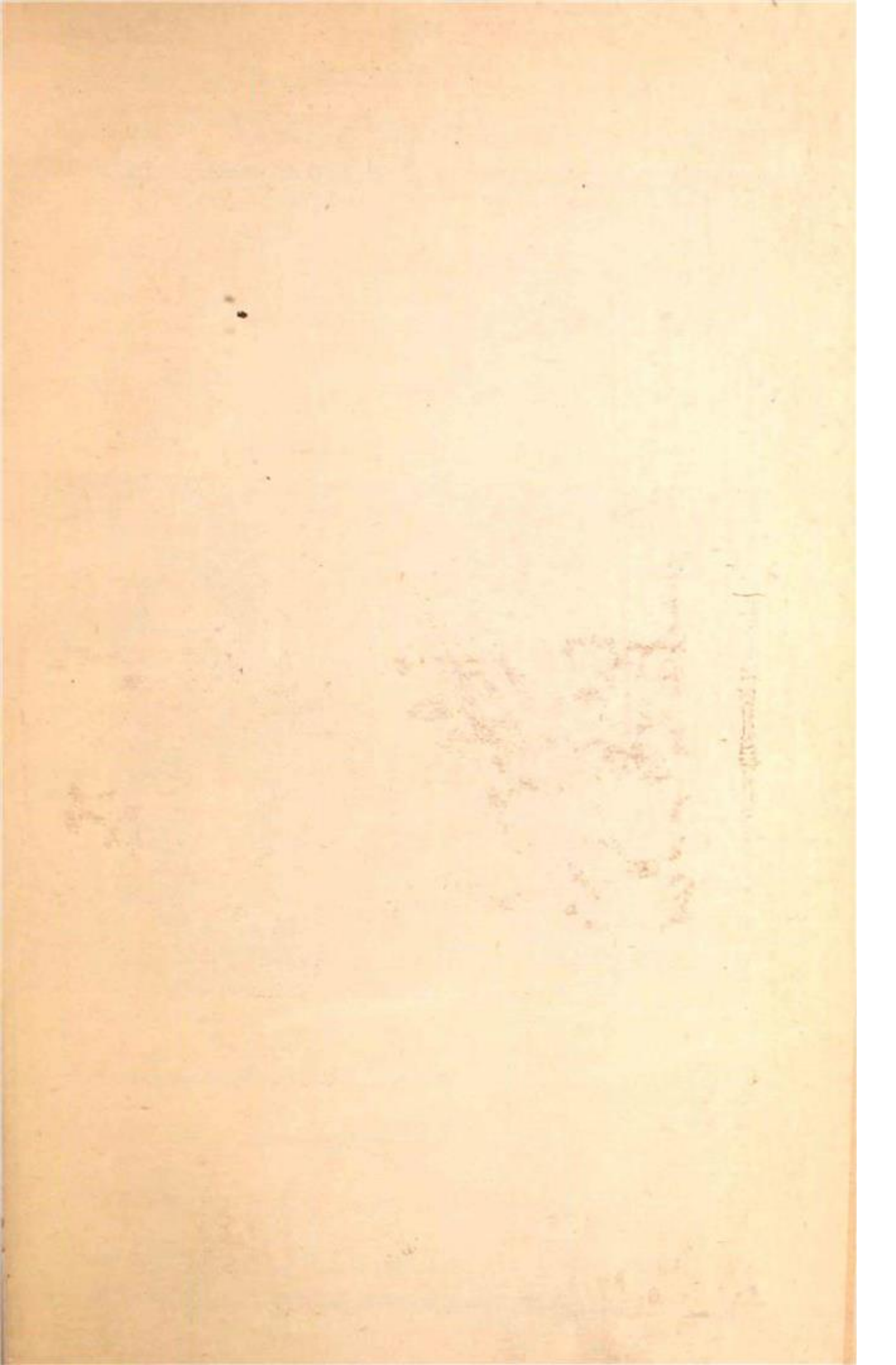
البتہ مغلیہ دور میں جنگ وجدل کی تفصیلات سے پتہ چلتا ہے کہ تاریخ کے کسی دور میں بھی اس علاقہ کے باشندوں نے نہ تو کسی کا طوق غلامی زیب گلو کیا نہ ہی اپنے حق اقتدار سے وہ غافل رہے۔ حتیٰ کہ مغل حکومت نے اپنی طاقت اور قوت کے باوجود بالآخر ان قبائل کو مواجب دینے کے سوا اور کوئی چارہ کار نہ دیکھا۔ دربار مغلیہ کے کمزور ہو جانے پر جب صوبہ سرحد کی سرزمین پر پھر کابل سے حکومت کی جانے لگی تو درانی سرداروں نے اپنی فتحمندی کے شادیانے بجائے۔ طاقت وقوت کے مظاہرے کئے۔ ان حالات میں بھی افریدیوں نے اطاعت قبول نہ کی تو بالآخر درانیوں کو بھی ان قبائل کی آزادی تسلیم کرتے ہوئے رقومات مواجب ادا کرنی ناگزیر ہو گئیں۔

سکھ اور درہ کوہاٹ

جب خانہ جنگی اور باہمی نفاق کی وجہ سے درانیوں کی حکومت کمزور ہونا شروع ہوئی تو پنجاب کی ایک مٹھی بھر قوم سکھ نے اقدام کرتے ہوئے صوبہ سرحد کی سرزمین کو روند ڈالا۔ اور دیکھتے ہی دیکھتے پشاور۔ کوہاٹ اور سرحد کے بعض دوسرے علاقوں پہ "خالصہ دربار" اپنی فوجی طاقت اور جبر و تشدد سے برسر اقتدار نظر آنے لگا۔ ان کے نظام حکومت میں کوہاٹ کو پشاور کا ایک جزو سمجھا جاتا تھا اور کوہاٹ پہنچنے کے لئے دو ہی راستے تھے۔ ایک کالا باغ کا طویل راستہ جو سرزمین پنجاب سے ہو کر گذرتا ہے اور دوسرا درہ کوہاٹ کا مختصر راستہ جو پشاور سے سیدھا کوہاٹ پہنچ جاتا ہے۔ اول الذکر راستہ کی طوالت اور اس زمانے کے ذرائع رسل و رسائل کے پیش نظر سفر میں بہت سی مشکلات دکھائی دیتی ہیں۔ فوری ضرورت کی صورت میں نظام حکومت کو چلانے کے

لئے اس راستہ سے امداد بھیجنے میں اخراجات کے علاوہ کافی وقت ضائع کرنا ناگزیر تھا اس کے مقابل پشاور سے براستہ درہ کوہاٹ صرف چالیس میل کی مسافت تھی۔ البتہ مشکل یا رکاوٹ تھی تو صرف یہ کہ آفریدی بلامعاوضہ آمدورفت کی اجازت دینے پر رضامند نہ ہو سکتے تھے۔ سکھوں نے اس مختصر راستہ پر اپنا اقتدار قائم کر لینا چاہا اور اپنے پیش رو حکمرانوں کی طرح توت و طاقت سے افریدیوں کو زیر نگیں کرنے کی کوشش کی۔

سکھوں نے جنگ کا بگل بجایا۔ لشکر کو تیاری کا حکم ملا۔ اور خیال کیا جانے لگا کہ "خالصہ دربار" کے سامنے مختصر سا ایک آفریدی قبیلہ کیونکر ٹھہریگا لیکن مجاہدین کی طاقت اور جذبہ قربانی کے اندازہ لگانے میں سکھوں کو غلطی لگی۔ افریدی مردانہ وار مقابلہ کے لئے ہمہ تن تیار نظر آئے۔ خالصہ لشکر کے پہنچنے کی دیر تھی کہ افریدیوں نے انہیں لوہے کے چنے چبانے پر مجبور کر دیا ہزاروں سکھ لقمہ اجل بنے۔ سکھ لشکر بے ترتیبی سے بھاگ کھڑا ہوا۔ سکھ وقار کو سخت ٹھیس لگی تو جذبہ انتقام سے جل کر انہوں نے اپنے مشہور اطالوی جرنیل ڈیبائل (المعروف البوطبیلہ) کی سرکردگی میں مزید لشکر بھیجا۔ چنانچہ اس لشکر کے ایک حصہ نے درہ کوہاٹ میں داخل ہو کر موضع اخوڑے کو برباد کیا تو دوسرے لشکر نے معہ چار توپوں کے موضع بازید خیل (پشاور) سے علاقہ بوری کی راہ لی۔ لیکن افریدیوں نے اس پامردی سے مقابلہ کیا کہ سکھوں کے پاؤں اکھڑ گئے۔ سکھ لشکر نے راہ فرار اختیار کی۔ بڑی تعداد میں موت کے گھاٹ اتارے گئے اور یہ ضرب ایسی کاری ثابت ہوئی کہ جس طرح بقول البوطبیلہ "خیبر کے نام (۱)

(۱) نوٹ اگلے صفحہ پر دیکھئے

ہے سکھ سپاہیوں کو درد قولنج شروع ہو جاتا تھا۔" اسی طرح درہ کوہاٹ بھی ان کے لئے ہوا بن گیا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ خالصہ دربار نے اتنی خونریزی کے بعد بھی مواجب ادا کرنے پر اظہار رضامندی کر دیا۔ اور افریدی اپنی آزادی قائم رکھتے ہوئے رقومات مواجب وصول کرتے رہے۔"

لہ یہ جرنیل اطالوی الاصل تھا۔ ابتداً نپولین اعظم کے لشکر میں شامل رہا۔ وہاں سے چل کر اس نے ایران میں ملازمت اختیار کی۔ وہاں بھی ٹک نہ سکا تو ۱۸۲۶ء میں لاہور پہنچا۔ جہاں اس نے رنجیت سنگھ کے دربار تک رسائی حاصل کرتے ہوئے وزیر آباد کی گورنری حاصل کر لی۔ ۱۸۳۴ء میں اسے پشاور بھیجا گیا اور ۱۸۳۷ء میں جب سکھوں کا مشہور جرنیل ہری سنگھ نلوہ پٹھانوں کے ہاتھوں مارا گیا تو اسے پشاور کی گورنری ملی ۱۸۴۳ء میں اس نے ملازمت ترک کرتے ہوئے اپنے وطن کی راہ لی۔ کہا جاتا ہے کہ اس وقت اس کے پاس پچاس ہزار پونڈ موجود تھے وہ اطالوی۔ فرانسیسی فارسی اور ہندوستانی بلا تکلف بول لیتا اور راگ رنگ کا بہت شوقین تھا پشاور میں اس کے ظلم کے افسانے آج بھی سنے جا سکتے ہیں۔ اس کا پورا نام تھا پاؤلوڈی بارٹو لومیو آدیٹیبائل۔ Paolo di Bartolomeo Avitabile

آدم خیل آفریدی
شجرۂ نسب

قیس عبدالرشید[1]

۱۔ تبان ۔ ۲۔ غرغشت ۔ ۳۔ سرابن

غرغشت
کرلانڑی
کاکے
برہان
افریدی
آدم خیل

۱۔ جواکی ۔ ۲۔ حسن خیل ۔ ۳۔ گلائے ۔ ۴۔ آشو خیل

۱۔ جواکی

ہیبت خیل ۔ قمیت خیل ۔ بازید خیل

ہیبت خیل: بادل خیل ۔ غلام خیل ۔ شکیب خیل

قمیت خیل: قاسم خیل ۔ اسمٰعیل خیل

بازید خیل: سرل خیل ۔ طبیب خیل ۔ سنگرائے
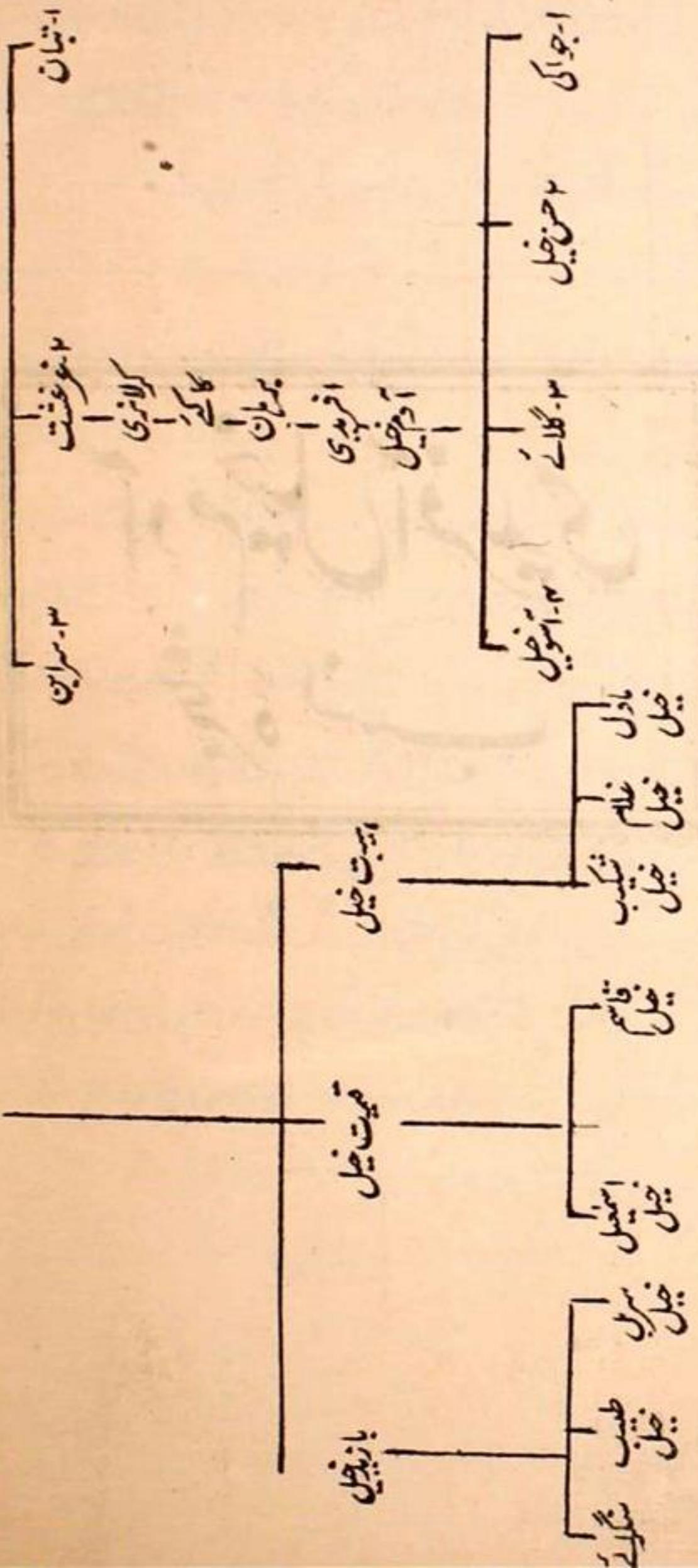
[1] پٹھانوں کے مفصل شجرۂ نسب کیلئے دیکھو تاریخ آزاد پٹھان جلد اول

حسن خیل

- تاتر خیل یا انوڑ دال
  - بلاتی خیل
    - برکلی
    - کوزکل
  - پیر دال خیل
  - گدیا خیل
- جانا خواڑی
  - زخو خیل کوہی
    - تیمور خیل
    - قمبر خیل
    - لنڈی خیل
    - رضا خیل
    - ذلیل خیل
    - الہ داد خیل
    - ولی داد خیل
    - بھائی خان خیل
    - میچر خیل
    - ملا خیل
    - بوچی خیل
    - درویش خیل
  - پایا خیل کوہی
  - میاں خیل کوہی
    - سپر مست خیل
    - مرید خیل
    - بازید خیل
    - زرین خیل
  - طوتکئے جانا خواڑ
    - داود خیل
    - تبدد خیل
    - کوہی خیل
    - غازی خیل
  - برکئے جانا خواڑ
    - بیزاد خیل
    - مشکئے
    - تسنکار

۳- گلائے

- طور سپیر یاغی خیل
  - نیک زن خیل
  - اتالیق خیل
  - شیرباز خیل
  - فیروز خیل
  - عالم خیل
  - بجیل خیل
  - کوہی خیل
- زرغن خیل
  - محمد خیل
  - میاں خیل
  - ملا خیل
  - سنی خیل
  - تعلیم خیل
  - سپکے
- شراکی
  - لش خیل
    - باقر خیل
    - رحیم داد خیل
    - علے خان خیل
  - تاشی خیل
    - مبارک
    - لنڈی خیل
    - درمائے خیل
    - ایل خیل
- بومتی خیل
  - مصری خیل
  - یونس خیل

درہ کوہاٹ اور حکومت برطانیہ

سنہ ۱۸۴۹ء سے سنہ ۱۹۴۷ء تک

انگریز سے پہلا معاہدہ

جب خالصہ دربار کا چراغ گل ہوا اور انگریز نے ۱۸۴۹ء میں سرزمین سرحد پر قدم رکھا تو اس کے لئے بھی راستہ کی مذکورہ مشکلات موجود تھیں لیکن انگریز نے اپنے پیش رو حکمرانوں کے طریقہ کار اور اس کے نتائج کے پیش نظر عقل و سمجھ سے کام لیا اور جنگ و جدل کی بجائے موقع و محل کی مناسبت سے مواجب کی انہی رقومات کی ادائیگی پر اظہار رضامندگی کر دیا کہ جو خالصہ دربار سے افریدیوں کو مل رہی تھی ۔ بلاشبہ طرفین ایک دوسرے کو شک و شبہ کی نگاہ سے دیکھتے رہے لیکن کسی قسم بدمزگی پیدا نہ ہوئی ۔ انگریز نے افریدیوں کے معاملات میں مداخلت نہ کی تو افریدیوں کے لئے بھی کوئی امر باعث نزاع نہ رہا اور حالات میں صرف اسی قدر تبدیلی نظر آنے لگی کہ پہلے جو رقومات " خالصہ دربار " سے وصول کی جا رہی تھیں اب انگریز سے ملنے لگیں ۔ جھگڑے کی کوئی صورت پیدا نہ ہوئی تو حالات کو سازگار دیکھتے ہوئے قبیلہ آدم خیل کی شاخ گلائے نے پانچ ہزار

سات سو روپے سالانہ مواجب کے عوض درہ کوہاٹ کو آمد و رفت کے لئے کھلا رکھنے کا اقرار کرتے ہوئے اپریل ۱۸۴۹ء میں انگریز سے معاہدہ کر لیا جو درہ کوہاٹ کے افریدیوں کا انگریز سے پہلا معاہدہ تھا۔

درہ میں سڑک کی تعمیر

انگریز نے جو یوں خاموشی اور مخلصانہ انداز میں رقم مواجب ادا کرنے پر اظہار آمادگی کیا تو یہ اس کی کمزوری نہ تھی۔ عدم تدبر نہ تھا۔ بلکہ اس طرح وہ قبائل پر اپنی ہمدردی اور نیک نیتی کا سکہ بٹھانا چاہتا تھا۔ وہ نہ چاہتا تھا کہ قبائلیوں کے دلوں میں کسی قسم شک و شبہ پیدا ہو۔ اور اس طرح وہ اپنے اخلاص اور خوش معاملگی کے سایہ میں اپنی گرفت مضبوط کر لینے کا متمنی تھا۔ چنانچہ ادائگی رقومات مواجب کے تھوڑے ہی دنوں بعد اس نے نہایت ہمدردانہ طریقہ پر درہ کوہاٹ میں پختہ سڑک تعمیر کرنے کی تجویز پیش کر دی اور بخیال خویش یقین کر لیا کہ افریدی درہ کوہاٹ میں سڑک کی تعمیر کو نعمت غیر مترقبہ سمجھ کر پھولے نہ سمائیں گے۔ لیکن وہ بھی کچی گولیاں کھیلے نہ تھے۔ انگریزی مقاصد کو تاڑ گئے۔ سڑک کا ہر پتھر انہیں سد سکندری کی شکل میں دکھائی دینے لگا انگریز نے انہیں مطمئن کرنے کی کوشش کی لیکن بے سود۔ افریدی سڑک کو زنجیرِ غلامی سمجھ کر اس کی تعمیر کی اجازت نہ دے سکے تو انگریز نے تیور بدلنے شروع کئے اسے اپنی طاقت پر ناز تھا اپنی دولت کا گھمنڈ تھا۔ اور افریدی بھی اپنے جذبہ تحفظ آزادی سے سرشار تھے۔ حالات بگڑنے لگے۔ تو افریدیوں نے اعلان کر دیا کہ وہ کسی قیمت پر درہ کوہاٹ میں سڑک تعمیر کرنے کی اجازت نہ دیں گے۔

انگریز بھی خاموش رہنے والا نہ تھا اس نے اپنا پینترا بدلا۔ جو مخالفت گفتگو اور بحث و مباحثہ سے ختم نہ کی جا سکتی تھی۔ اسے سونے چاندی کے ٹکڑوں کی جھنکار میں گم کر دینے کی کوشش ہوئی۔ سیم و زر کی بارش برسانے کا فیصلہ ہوا اور جب اس طرح بھی حصول مقصد میں کامیابی دکھائی نہ دی۔ تو ہر جابر حکمراں کی طرح انگریز نے بھی اسلحہ و بارود کا سہارا لے کر اس قبیلہ کی آزادی کو کچل دینے کا فیصلہ کر لیا۔ اپنی دولت طاقت اور وسائل کے گھمنڈ میں مالکان ملک کی رضامندی حاصل کئے بغیر سڑک کی تعمیر شروع کر دی اور تجویز یہ ہوئی کہ پہلی ہی جست میں کوہاٹ شہر سے درہ کوہاٹ کے سر تک سڑک تعمیر کر لی جائے۔

انگریز انہی دنوں خالصہ دربار کو ملیا میٹ کرنے کے بعد اپنی بہادری شجاعت اور تدبر کا ڈھنڈورہ پیٹ چکا تھا۔ اس کی نظر میں چند ہزار باشندگان درہ کوہاٹ کیا وقعت رکھ سکتے تھے۔ وہ ان کے جذبہ قربانی سے واقف نہ تھا افریدی آندھی کی طرح اپنے گھروں سے نکلے تو دیکھتے ہی دیکھتے ۲ر فروری ۱۸۵۰ء کو سڑک پر فوجی کام کرنے والوں سے ۱۲ افراد قتل کر دیئے اور چھ خاک و خون میں لوٹتے نظر آئے۔ اتفاق سے انہی ایام میں ہندوستان کا سپہ سالار اعظم سر چارلس نیپیر[۱] پشاور میں مقیم تھا۔ افریدیوں کی اس حرکت کو اس نے اپنی بے عزتی اور وقار کے خلاف گردانتے ہوئے بدلہ لینے کی ٹھانی اور ایسٹ انڈیا کمپنی کے حکام اعلیٰ سے درہ کوہاٹ کی طرف لشکر کشی کی اجازت حاصل کر لی۔

۱؎ سر چارلس نیپیر ۷ر مارچ ۱۸۴۹ء کو سپہ سالار اعلیٰ مقرر ہوا اور ۳ر جولائی ۱۸۵۰ء کو اس عہدہ سے مستعفی ہو گیا۔

درہ میں انگریز سے پہلی جنگ

مذکورہ اختلافات کی وجہ سے چند افراد کے لقمہ اجل ہو جانے کے بعد ضروری نہ تھا کہ لشکر کشی کی جاتی۔ بلکہ رسم ملک کے مطابق (جس رسم کو انگریز تسلیم کر چکا تھا) طرفین باہمی گفتگو سے کسی نتیجہ پر پہنچ سکتے تھے۔ اور اگر اس طرح کوئی تصفیہ نہ ہوتا تو پھر جنگ لڑی جا سکتی تھی۔ لیکن انگریز نے گفتگو کی بجائے طاقت سے رعب ڈالنا چاہا۔ چنانچہ اس واقعہ کے پانچ دن بعد ۹ فروری ۱۸۵۰ء کو انگریزی لشکر نے درہ کوہاٹ کی طرف پیش قدمی شروع کر دی اور انگریز قوم کا سپہ سالار اعلیٰ خود اس لشکر کے ساتھ چل رہا تھا۔ ایسٹ انڈیا کمپنی کے منظم اور کیل کانٹے سے تیار لشکر کے مقابل یہ آزاد قبائل اپنے کندھوں پر پرانی وضع کی بندوقیں لٹکائے کیا کر سکتے تھے۔ پھر بھی حب الوطنی جذبہ جہاد اور ولولہ آزادی وطن نے انہیں دل برداشتہ ہونے نہ دیا۔ آزادی وطن کے لئے قربان ہو جانے پر انہیں وہ لطف مل رہا تھا جو ظلم و استبداد سے کمزوروں کو مطیع کرنے والے کسی جابر و مستبد حاکم کو نصیب نہیں ہو سکتا۔ انگریز لشکر کے درہ کوہاٹ میں داخل ہونے پر جنگ کا آغاز ہوا۔ افریدی ایک ایک انچ زمین پر لڑتے دکھائی دیئے۔ اس وقت قبائلیوں میں دریا خان نامی ایک شخص کو خاص عزت و وقعت سے دیکھا جاتا تھا جبکہ انگریز اسے "ڈاکو اور رہزن" کے نام سے یاد کرتے تھے۔ اسی دریا خان کی قیادت میں افریدیوں نے انگریز لشکر کو دم لینے کی فرصت نہ دی۔ پھر بھی انگریز لشکر اپنے سامان کی بہتات لشکر کی کثرت اور رسل و رسائل کے

نظام کی وجہ سے موضع اخوڑ کے قریب جا پہنچی

سر چارلس نیپر اس حقیقت کو فراموش کرتے ہوئے کہ انگریز لشکر ایک معمولی سے قبیلہ کے مقابل صف آرا تھا۔ اپنی بہادری اور فتحمندی پر اترانے لگا۔ اور یہ دیکھتے ہوئے بھی کہ پٹھان اس کی طاقت۔ اس کے لشکر اور اس کی آتش باری سے مرعوب ہو کر ہتھیار پھینکنے والے نہ تھے اس نے نشہ اقتدار میں اعلان کر دیا کہ اگر افریدیوں نے ایک گھنٹہ کے اندر اطاعت قبول نہ کر لی تو ان کے پورے علاقے کو تاراج کر دیا جائے گا اور اس خواہش کا اظہار کیا کہ قبائلی نمائندے اس سے مل کر شرائط اطاعت طے کر لیں۔ افریدیوں کو اطلاع ہوئی تو انہوں نے کہلا بھیجا کہ جو گفتگو توپ و تفنگ سے شروع ہو چکی ہے اسے اب زبان و قلم سے بند کرنا مناسب نہیں اس جواب سے جل کر سر چارلس نیپر نے ۱۰ فروری ۱۸۵۰ء کو موضع اخوڑ پہنچ کر اسے پیوند زمین کر دیا۔

جب طاقت کا یہ مظاہرہ ہو چکا تو ۱۱ فروری کو لشکر نے زرغن کی راہ لی۔ افریدی ہر ہر قدم پر مقابلہ کرتے رہے لیکن اس منظم لشکر کے سامنے ٹھہرنا یا اس لشکر کو مزید اقدام سے روکنا ان کے بس کی بات نہ تھی چنانچہ زرغن کو بھی پیوند زمین کرتے ہوئے اس انگریز نے اپنی بہادری کا ایک اور نمونہ مہذب دنیا کے سامنے پیش کر دیا۔ اب شام ہو چکی تھی۔ لشکر نہ آگے بڑھ سکتا تھا نہ واپس لوٹ سکتا تھا۔ رات وہیں بسر کرنے کا فیصلہ ہوا۔ قبائلی بھی موجود تھے انہوں نے انگریز لشکر کو رات بھر پریشان

گئے رکھا اور صبح تک طرفین آگ برساتے رہے۔

دن نکلا تو لشکر کے ایک حصہ کو اس جگہ مقیم رکھکر دوسرے حصہ کو کوہی کے برباد کر دینے کا حکم ملا۔ مہذب دنیا کا یہ سر براور وہ انگریز۔ سر چارلس نیپیر۔ نشہ اقتدار میں اندھا ہو کر راستہ میں کی ہر جھونپڑی۔ مسکن گھر اور در و دیوار کو تاخت وتاراج کرتا۔ انسانی خون سے ہولی کھیلتا ہوا کوہاٹ کی طرف چل رہا تھا۔ انگریز افسروں کی حالت یہ تھی کہ بالکل پاگل دکھائی دے رہے تھے۔ درہ کوہاٹ میں کا ہر انسان ہی نہیں ہر جاندار بلکہ ہر پتھر انہیں دشمن کی شکل میں نظر آرہا تھا۔ ہر در و دیوار کے اوٹ سے انہیں قبائلیوں کی بندوقوں کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں ادہر آفریدی صبر و حوصلہ سے تحفظ آزادی وطن کے لئے سینہ سپر تھے وہ انگریز کی سراسیمگی کو دیکھتے ہوئے اور بھی شدت سے آگ برسا رہے تھے بالآخر انگریز لشکر نے انتہائی پریشانی کے عالم میں کوتل پہنچ کر پیش قدمی روک دی۔ لیکن افریدیوں کے حوصلے ابھی بلند تھے۔ وہ لگاتار آگ برساتے رہے انگریز کی رگ انتقام پھر پھڑکی تو اس نے پھر اقدام شروع کیا اور کوہاٹ سے کوئی چار میل کے فاصلہ پر ایک گاؤں کو پیوند زمین کرنے کے بعد لشکر کو واپسی کا حکم ملا۔

۱۳ فروری ۱۸۵۰ء کو انگریز لشکر نے واپس لوٹنا شروع کیا تو بھی افریدی سایہ کی طرح ساتھ تھے اور جس مستعدی سے اقدام کے وقت آگ برسا رہے تھے اسی مستعدی سے انگریز کی واپسی پر بھی آگ برساتے رہے

درہ کوہاٹ میں ایک قبائلی مورچہ
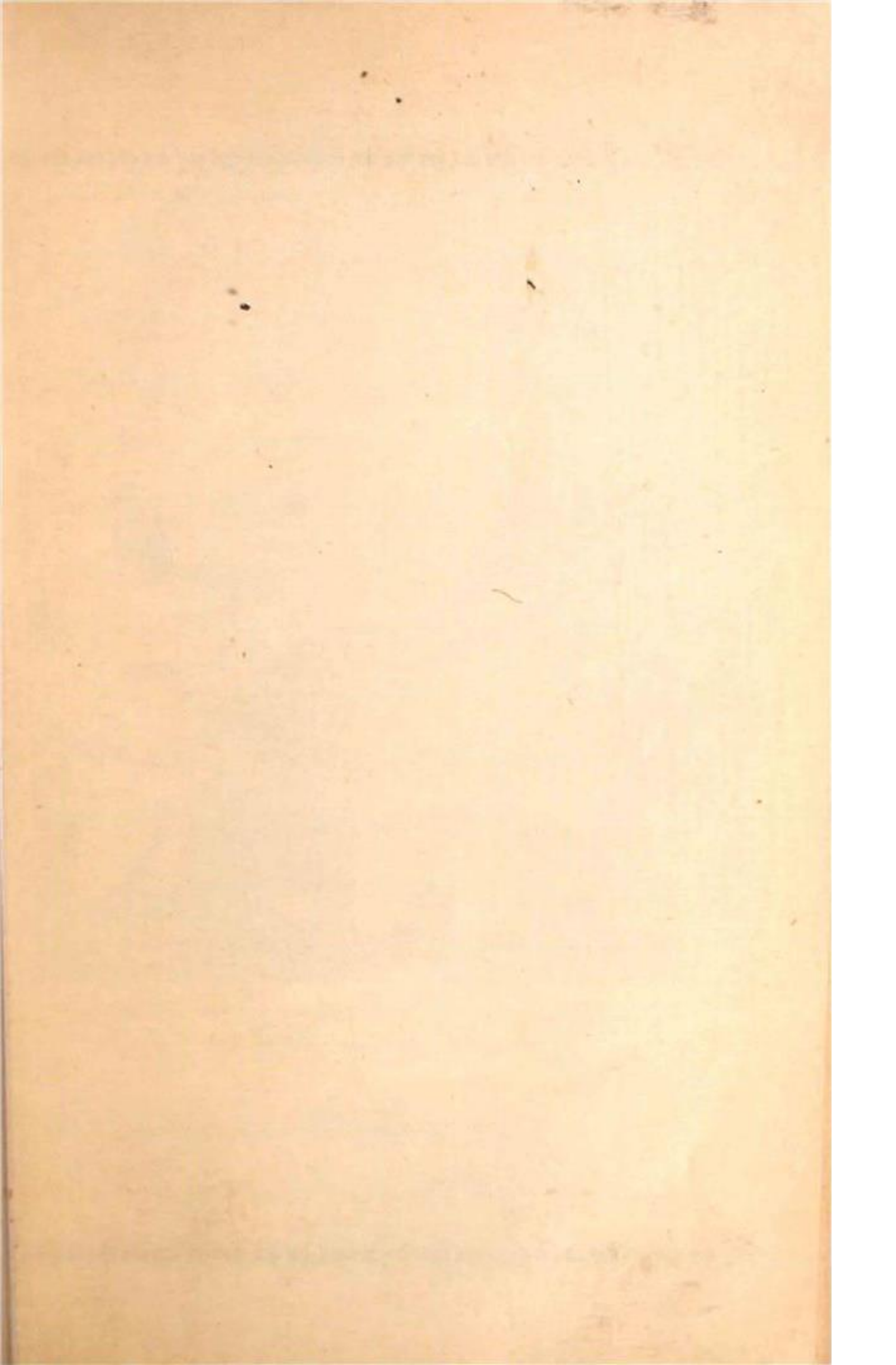
انگریز لشکر اب نشیب و فرازِ راہ سے بے نیاز ہو کر جلد از جلد درہ کوہاٹ سے نکل جانے کی فکر میں تھا، چنانچہ مرتے مارتے وہ واپس پشاور پہنچ گیا۔ لاکھوں روپے کے اخراجات۔ سینکڑوں انسانوں کی اموات اور متعدد افریدی آبادیوں کو تاخت و تاراج کرنے کے بعد کوئی ایک ہفتہ کے اندر اس مہم کو ختم کر دیا گیا اور چند ہی دنوں میں انگریز کیمپ ایسا معلوم ہونے لگا جیسے کوئی قابل ذکر واقعہ ہوا ہی نہ ہو۔ نتیجہ یہ کہ جس سڑک کے لئے یہ سب کچھ کیا گیا تھا وہ بن نہ سکی۔

درہ کوہاٹ میں انگریز کے اس اولیں اقدام سے پتہ چلتا ہے کہ اس نے قبائلیوں میں نفاق بے اعتمادی اور باہمی دشمنیوں کو ہوا دینے کا کام یہیں سے شروع کیا تھا۔ اس مہم کے آغاز سے قبل انگریز نے اپنی چالبازی۔ حیلہ جوئی اور سیم و زر کے لالچ سے بعض افراد کو یوں رغبت دلائی کہ انگریز کا ساتھ دینے کی صورت میں وہ اپنے دشمنوں سے بہ آسانی بدلہ لے سکتے تھے اپنے ساتھ ملا لیا ایسے افراد کی شمولیت سے گو انگریز کو جسمانی حیثیت سے کوئی خاص تقویت نہ ملی تاہم اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ قبائل میں عدم اعتماد اور باہمی نفاق پیدا ہو جانا ناگزیر تھا۔ چنانچہ ایک انگریز (کیپٹن نیول) جس نے اس مہم کی مختصر سی روئیداد بھی لکھی تھی کہتا ہے کہ ان لوگوں نے نہ تو کوئی قابل ذکر امداد کی نہ ہی افسرانِ لشکر ان سے مطمئن تھے۔ بہ ایں ہمہ جب یہ لشکر پشاور کی طرف واپس لوٹا تو درہ کوہاٹ سے نکلنے کے بعد فتح محمد خان ملک دین خیل افریدی کو ہاتھی پر بٹھا کر لشکر کے آگے آگے چلایا گیا جب کہ اس کے ایک دوسرے ساتھی کے ہاتھ میں لشکر کا علم تھا۔ اس طرح ان کی ہمت افزائی کی گئی۔ یا بالفاظ دیگر

انہیں منظر عام پر لا کر افریدی قبائل میں باہمی نفاق پیدا کرنے کی کوشش ہوئی۔
انگریز کا خیال تھا کہ طاقت کے اس مظاہرہ سے افریدی مرعوب ہو کر شرائط تسلیم کر لیں گے۔ لیکن ایسا نہ ہوا۔ افریدیوں نے مخالفت جاری رکھی۔ سڑک تعمیر نہ ہو سکی اور جس درہ کوہاٹ کو کھلا رکھنے کے لئے لشکر کشی ہوئی اور میدان کارزار گرم ہوا تھا اور جس میں جنگ سے قبل آمدورفت جاری تھی۔ وہ غیر محفوظ ہو کر آمدورفت کے لئے کلیتہً بند ہو گیا۔ سر چارلس نپیر کو اس اقدام میں سیاسی حیثیت سے بدترین قسم کی شکست اٹھانا پڑی۔ جس پر پردہ ڈالنے کے لئے اس نے ۱۷ فروری ۱۸۵۰ء کو لارڈ ڈلہوزی کے نام ذیل کا پیغام دیا:

> .... کہا جاتا ہے کہ کوہاٹ کی طرف لشکر کشی کے دوران میں رنجیت سنگھ کے ایک ہزار آدمی کام آتے تھے۔ کمانڈر انچیف نہیں کہ سکتے کہ یہ قصہ حقیقت پر مبنی تھا یا نہ۔ لیکن یہ حقیقت ہے کہ بریگیڈیر سر کولن کمبل[1] کے صرف بیس[2] افراد کام آئے اور ہمارے سامان کا ایک ٹکڑہ بھی ہم سے دشمن ہتھیا نہ سکے حالانکہ وہ اپنی دلیری اور لوٹ مار کی خصوصیت کی وجہ سے دنیا بھر میں شہرت یافتہ ہیں۔

---

[1] درہ کوہاٹ کی طرف جس لشکر نے یلغار کی تھی آئینی حیثیت میں سر کولن کمبل اس کی قیادت کر رہا تھا اگرچہ سر چارلس نیپر سپہ سالار اعلیٰ بھی اس لشکر کے ہمراہ تھا۔

[2] علاوہ کیمپ برداروں اور دوسرے ملازمین کے اس مہم میں ۳۲۰۰ افسر و سپاہیوں نے حصہ لیا اور فہرست مجروحین و مقتولین کی تعداد ۹۴ بتائی گئی ہے۔
صوبہ سرحد گزیٹیر ۱۹۰۸

کوتل سے انگریز کا اخراج

درہ کوہاٹ کے مذکورہ معرکہ کے اختتام پر انگریز نے اپنے لشکر کا ایک حصہ کوتل کے مقام پر مقیم کر دیا تھا گویا اس ساری جنگ و جدل کی کامیابی کا مظہر یہ کوتل پر انگریز سپاہیوں کا قیام تھا۔ لیکن افریدی اسے برداشت نہ کر سکتے تھے اور ابھی کہ انگریز لشکر کو واپس ہوئے سولہ سترہ ہی دن گزرے ہوں گے کہ افریدیوں نے ۲۸ فروری کو اس پر حملہ کرنے کا اعلان کر دیا۔ انگریز کو اطلاع ملی تو اس نے یکم مارچ کو کوہاٹ سے تازہ دم لشکر کو کوچ کا حکم دیدیا۔ افریدی پہلے ہی تیار کھڑے تھے۔ شدید جنگ کے بعد لشکر کا ایک حصہ چوکی کے قریب جا پہنچا۔ لیکن جب افریدیوں نے ۲ مارچ کو دوبارہ حملہ کیا۔ تو کوتل میں مقیم سپاہیوں کی حالت یہ تھی کہ نہ جائے رفتن نہ پائے ماندن۔ ایسی حالت میں موت یا صلح دو ہی راستے کھلے تھے۔ انگریز نے صلح کے لئے سلسلہ جنبانی شروع کی اسی دوران میں دریا خان اپنے ساتھیوں کو لئے آ نمودار ہوا تو انگریز نے اپنے تازہ دم لشکر کو اقدام کا حکم دیا۔ لیکن حالت ایسی بگڑ چکی تھی کہ انگریز کے بنائے بن نہ سکی اور اس کی کوئی چال کارگر دکھائی نہ دی۔ ان حالات میں انگریز کمانڈر نے کمال عقلمندی سے افریدیوں کو اس پر رضامند کر لیا کہ وہ چوکی میں کے مقیم سپاہیوں کو زندہ نکل جانے کی اجازت دے دیں۔ چنانچہ ۲ مارچ کو انگریز نے یہ چوکی خالی کر دی تو افریدیوں نے اس پر قبضہ کرتے ہوئے اس کے تحفظات کو برباد کر دیا۔

ڈاک سے تعارض نہ کرنے کا معاہدہ

افریدی تحفظ وطن سے کسی وقت بھی غافل نہ رہے انگریز بھی چالیں چلتا رہا۔ اور جب اس نے دیکھا کہ جنگ وجدل سے کام نہیں نکل سکتا تو دوستی کی پینگیں ڈالنا شروع کیں اپریل ۱۸۵۰ء میں قبائلیوں سے نامہ و پیام شروع ہوا۔ تو کہیں جون میں وہ گفتگو تے مصالحت پر آمادہ ہو سکے۔ چنانچہ اخوروال۔ زرغون خیل اور شراکی قبائل کے ملکوں (سرداروں) نے ۶ رجون کو شرائط صلح طے کرتے ہوئے ایک معاہدہ تحریر کیا اور رسم ملک کے مطابق اسے اپنے قبائل کے سامنے پیش کیا۔ قومی جرگہ نے اس معاہدہ کو بحث کے بعد مسترد کر دیا۔ تو انگریز کا بنا بنایا کھیل بھی بگڑ گیا۔ مخالفت نے اور شدت اختیار کر لی۔ انگریز نے بھی آنکھیں دکھانی شروع کیں تو ۹ رجون کو قبائلیوں نے ایک انگریز فوجی دستہ کو جو درہ کوہاٹ میں داخل ہو چکا تھا لوٹ لیا۔ انگریز کے جذبہ انتقام نے ایک دفعہ پھر جوش مارا۔ ان قبائلیوں کی ناکہ بندی کر دی گئی۔ اور مقبوضہ علاقہ میں ان کے جس قدر افراد تھے انہیں زیر حراست لے لیا۔ حتیٰ کہ مستورات اور بچے بھی اس حکم کی زد سے نہ بچ سکے۔ انگریز کی اس حرکت نے جلتی آگ پر تیل کا کام کیا۔ معاہدہ ہو جانے کی رہی سہی امید بھی خاک میں مل گئی۔ لیکن انگریز نے حوصلہ نہ ہارا اور اندر ہی اندر قبائلیوں کو رضامند کرنے کی کوشش ہوتی رہی۔ بالآخر اواخر جون ۱۸۵۰ء میں قبیلہ جواکی کو اس پر رضامند کر لیا گیا کہ وہ براستہ بوری اور جامو صرف ڈاک کے گزر جانے کی ذمہ داری سنبھال لے اور اس سے کسی قسم کا تعارض نہ کرے۔

درہ کی سیاست میں قبیلہ اورک زئی کی شمولیت

انگریز کو قدرے اطمینان ہوا ہی تھا کہ قبیلہ زرغون خیل۔ شرکی اور بوستی خیل کے افراد نے مقبوضہ علاقہ میں جانی گڑھی نامی گاؤں کو لوٹ لیا۔ اس طرح ایک دفعہ پھر جنگ کے بادل منڈلاتے نظر آئے۔ لیکن جب افریدی جرگہ کے سامنے یہ سوال پیش ہوا تو انہوں نے اس حرکت کو چند افراد کا ذاتی فعل قرار دیتے ہوئے ذمہ داری قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ انگریز نے بھی موقع سے فائدہ اٹھانا چاہا اور بگاڑ پیدا ہونے نہ دیا۔ وہ حالات کا جائزہ لے چکا تھا اس نے قبائلیوں میں نفاق پیدا کرنے کی حکمت عملی کو زیادہ موثر بنانے کی کوششیں شروع کیں۔ اسی حکمت عملی کے تحت قبیلہ جواکی کو پوری کے راستہ ڈاک کی حفاظت پر رضا مند کیا جا چکا تھا۔ اب دوسرا قدم یوں اٹھا کہ قبائلیوں کے گناہوں کو زیر بحث نہ لاتے ہوئے انہیں ۱۸۴۹ء میں مقرر شدہ تمام بقایا مواجب ادا کرنے کا بدیں شرط اقرار کر لیا کہ وہ درہ کوہاٹ کو آمد و رفت کے لئے کھلا رکھیں۔ اور اس کے ساتھ نئی چال یوں چلی کہ قبیلہ اورک زئی[1] کہ جس کو اس تمام ہنگامہ آرائی سے تعلق نہ تھا درہ کی سیاست میں داخل کر دیا۔ رحمت خاں اورک زئی کو جو اپنے قبیلہ میں اثر و رسوخ رکھتا تھا درمیان میں لاتے ہوئے کوہاٹ کی طرف سے درہ کوہاٹ کے دہانے کی پہاڑی چوٹی کوتل تک کی نگرانی سپرد کر دی۔ تاکہ وہ درہ کوہاٹ کے اس حصہ کی حفاظت کے فرائض انجام دے اس خدمت کے لئے اسے ذاتی حیثیت میں دو ہزار اور سڑک کی حفاظت کے لئے ایک سو ملازم رکھنے کے نام سے چھ ہزار روپے سالانہ ادا کرنے کا فیصلہ ہوا

---

[1] کتاب کے آخر میں باب اورک زئی دیکھیے۔

اس طرح نومبر ۱۸۵۰ء میں درہ کے مواجب کی رقم تیرہ ہزار سات سو روپے سالانہ دکھائی دینے لگی۔

قبیلہ جواکی سے معاہدہ ۱۸۵۱ء

واقعات یونہی چلتے رہے کشمکش جاری رہی۔ ایک طرف انگریز اپنی طاقت۔ دولت اور چالبازیوں سے بازی لے جانا چاہتا تھا۔ تو دوسری طرف افریدیوں کو اپنی آزادی کے تحفظ کی فکر دامنگیر تھی۔ طرفین کے مقاصد میں بعد المشرقین تھا ایک فریق چاہتا تھا کہ افریدیوں کے پورے علاقے کے پاؤں میں غلامی کی بوجھل بیڑیاں ڈالدے جب کہ دوسرا اس کے تصور کو بھی برداشت نہ کر سکتا تھا۔ معمولی اختلافات طرفین کی پریشانی کا باعث بنے اور انگریز نے حالات کا جائزہ لیتے ہوئے اپنی جدید حکمت عملی میں فرداً فرداً ہر قبیلہ سے نپٹ لینے کا فیصلہ کیا۔ چنانچہ اس سلسلہ میں جب قبیلہ جواکی سے اختلاف پیدا ہوا تو انگریز نے دوسرے قبائل سے لگاڑ نہ پیدا کرتے ہوئے صرف اس قبیلہ کی طرف توجہ دی۔ مقبوضہ علاقہ میں اس کے افراد قید و بند میں ڈالے گئے۔ حالات زیادہ بگڑنے لگے تو قبیلہ جواکی کے ایک جرگہ سے گفتگو ہوئی بالآخر اس قبیلہ نے اپنے علاقہ میں درہ کی سڑک کی حفاظت کا اقرار کرتے ہوئے ۲۶ دسمبر ۱۸۵۱ء کو معاہدہ پر دستخط کر دیئے[1]۔ جس کی رو سے ان کے قیدیوں کی رہائی۔

---

[1] اس معاہدہ پر ملک محمدی۔ ملک سراج۔ ملک سرکان۔ ملک خیر اللہ خان گل۔ ملک غازہ۔ ملک ارسلا۔ ملک اختر۔ ملک نوجدار ملک امین اور ملک فقیر نے طور کی سورکی جامو۔ پایا اور غریبا کے تمام جواکیوں کی طرف سے دستخط کئے تھے۔

مقبوضہ علاقہ میں انہیں کھلی آمد و رفت کی اجازت کے ساتھ یہ بھی مرقوم تھا کہ اگر ان کے قبیلہ کا کوئی فرد مقبوضہ علاقہ میں ارتکاب جرم کرے تو اس کی گرفتاری کا حکم نہ دیا جائیگا بلکہ نوعیت جرم کی اطلاع قبیلہ کو دی جائے گی اور قبیلہ خود ہی سزا تجویز کرے گا۔

معاہدہ ۱۸۵۳ء اور ک زئیوں کو درہ کی سیاست میں داخل کرنے کے بعد یہ جدید نظام چلتا رہا۔ ۱۸۵۳ء تک درہ میں عام طور آمد رفت کھلی رہی۔ انگریز نے قبیلہ اور ک زئی کو مزید ممنون کرنے کی غرض سے اس کی شاخ دولت زئی کے ذیلی قبائل بیزوتی اور فیروز خیل سے ۳ر دسمبر ۱۸۵۳ء کو ایک معاہدہ کر لیا جس میں اس قبیلہ نے کوتل پر اپنے بارہ افراد مقرر کرنے کے ساتھ اقرار کیا کہ وہ نہ تو انگریزی علاقہ میں کسی قسم ہنگامہ آرائی کریں گے۔ نہ انگریزی علاقہ میں جرائم کرنے والوں کو پناہ دیں گے اور نہ ہی آدم خیلوں کے علاقہ میں کسی قسم مخالف حرکت کا ارتکاب کریں گے اس معاہدہ پر ملک بہادر شیر خان۔ ملک مغل خان اور صاحبزادہ خطراب شاہ نے دستخط کئے۔

مذکورہ معاہدہ کے تین دن بعد ۶ر دسمبر ۱۸۵۳ء کو اس قبیلہ کی ایک دوسری شاخ سپاہ سے معاہدہ ہوا۔ جس میں اس قبیلہ نے اپنے دو نفر کوتل پر متعین رکھنے کا اقرار کیا[1]

---

[1] معاہدہ پر ذیل کے افراد نے دستخط کئے تھے، مینک احمد شاہ۔ ضابطہ خان۔ مراد خان صفدر علی شاہ۔ رستم علی عبد الحسین، حیدر علی۔ شاہ ولی ضم خاں جواہر علی۔ احمد شیر اور غلام۔

کوتل سے اورک زئیوں کا اخراج

رحمت خان اورک زئی کے عملاً سیاسیات درہ کوہاٹ میں شامل ہو جانے کے بعد ۱۸۵۳ تک یہ نظام چلتا رہا۔ وقتاً فوقتاً اختلافات پیدا ہوئے۔ لیکن ان کی نوعیت ایسی نہ تھی کہ جنگ وجدل کی صورت اختیار کر لیتی۔ البتہ اس دوران میں آدم خیل قبائل رحمت خان سے بددل ہونا شروع ہوئے۔ اس کے سلوک کے خلاف شکایات پیدا ہونے لگیں۔ مختصر یہ کہ افریدیوں کی اکثریت رحمت خاں اورک زئی کی قیادت سے تنگ آچکی تھی وہ زیادہ دیر تک اس کی مداخلت کو برداشت نہ کر سکی۔ انگریز جو اس نظم اور درہ کی سیاست میں رحمت خاں کو ٹھونسنے کا ذمہ دار تھا۔ تماشائی بن بیٹھا۔ وہ جانتا تھا کہ اختلافات کے بڑھ جانے پر فریقین آپس میں کٹ مریں گے اور یہی اس کی پالیسی تھی چنانچہ جب اسے اس طرف متوجہ کیا گیا تو اس نے صاف کہہ دیا کہ یہ افریدیوں کا نجی معاملہ ہے۔ حالانکہ چاہتا تو یہ اختلافات کسی نہ کسی طرح لطریق احسن دور کئے جا سکتے تھے۔ افریدیوں نے یہ حالت دیکھی تو حسب معمول آپس میں نپٹ لینے کا فیصلہ کیا اور رحمت خاں کی چوکی پر حملہ آور ہو کر کوتل پر قابض نظر آنے لگے اسی کشمکش کی وجہ سے درہ کوہاٹ میں ایک دفعہ پھر آمد ورفت بند ہوئی تو انگریزی سیاست نے حرکت شروع کی اور افریدیوں کا جرگہ طلب کیا گیا تاکہ حالات پر غور کی جا سکے۔

درہ کی سیاست میں قبیلہ بنگش کی شمولیت

جرگہ کی کارروائی شروع ہوئی تو انگریز نے اپنے

ترکش سے ایک نیا تیر نکالا پہلے اورک زئی قبیلہ کو درہ کی سیاست میں ٹھونسا تھا اب قبیلہ بنگش کو منظر عام پر لایا گیا۔ چنانچہ جرگہ کے سامنے ذیل کی تجاویز پیش ہوئیں:-

(۱) کوتل سے کوہاٹ تک درہ کی نگرانی قبیلہ بنگش کے سپرد کردی جائی بیزوتی۔ اتمان خیل۔ فیروز خیل اور دوسرے چھوٹے بنگش قبائل قیام امن کی ذمہ داری سنبھال لیں تو اس خدمت کے صلہ میں انہیں ۷۰۰۰ روپے سالانہ مواجب ادا کیا جائے گا۔

(۲) کوتل سے بطرف لٹ اور انجوڑا اور باسی خیلوں کی حد تک اس علاقہ کے افریدی نگرانی کریں تو انہیں ۵۴۰۰ روپے سالانہ مواجب ملے گا۔

(۳) اس بقیہ حصہ سڑک کی حفاظت باسی خیل ۶۰۰ روپے سالانہ کے عوض اپنے ذمہ لے لیں۔

انگریز کو یقین تھا کہ افریدی ان شرائط کو تسلیم کر لیں گے۔ لیکن جب یہ مسائل جرگہ میں پیش ہوئے تو ارکان جرگہ نے پورے درہ کوہاٹ کی ذمہ داری اپنے سر لینے پر آمادگی ظاہر کی۔ اور بتایا کہ جو کچھ ہوا اس کی تمامتر ذمہ داری رحمت خان کے سر تھی۔ جو ان سے خوشگوار تعلقات قائم نہ رکھ سکا تھا۔ اور قبائل کسی طرح اس کے ذمہ دار نہ تھے۔ لیکن انگریز کی حکمت عملی ہی بدل چکی تھی۔ وہ کسی ایک قبیلہ کے ہاتھ نظم ونسق سونپنے پر آمادہ نہ تھا۔ اور جانتا تھا کہ مختلف قبائل کو اختیارات مل جانے کی صورت میں وہ فرداً فرداً ایک دوسرے کے خلاف صف آرا کئے جا سکتے تھے۔ تقسیم و حکومت[1] کی پالیسی پر عمل شروع ہوا تو قبائل کو صاف الفاظ

---

[1] دیکھو کتاب کے آخر میں باب قبیلہ بنگش۔

میں تہاد یا گیا کہ ہر قبیلہ اپنے زیر اثر علاقہ کی نگرانی کا ذمہ دار ہوگا۔ اور جب افریدیوں نے ان شرائط کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا تو انگریز نے بھی اپنی روش بدل لی۔ آمادہ بہ جنگ نظر آنے لگا۔ اور جرگہ سے کہہ دیا کہ ارکان جرگہ باہمی مشورہ کے بعد دو تین گھنٹہ کے اندر ہی اپنی رائے سے حکومت کو مطلع کر دیتی۔ جرگہ کی کارروائی ختم ہوئی۔ ارکان جرگہ باہمی مشورہ کرنے کو دہاں سے رخصت ہوئے۔ انگریز ان کے فیصلہ کا منتظر ہو بیٹھا اور جب کافی دیر تک ارکان جرگہ واپس نہ لوٹے تو تشویش پیدا ہوئی اور حقیقت حال دریافت کرنے پر پتہ چلا کہ اس وقت تک وہ لوگ درہ کوہاٹ کی طرف گامزن ہو چکے تھے۔

اب انگریز کو اپنی غلطی کا احساس ہوا۔ اس نے دیکھا کہ بنا بنایا کھیل بگڑ رہا تھا۔ ارکان جرگہ کو واپس بلانے کے لئے آدمی دوڑائے گئے اور انہیں ہدایت کی کہ وہ قبائلیوں سے کہیں کہ جرگہ کا یوں وعدہ واپسی کے بعد بلا جواب دیئے واپس لوٹ جانا روایات ملی کے خلاف تھا۔ چنانچہ ارکان جرگہ واپس لوٹ آئے پھر سلسلہ جنبانی شروع ہوئی۔ طرفین مطلب برآری کے لئے موقع و محل سے فائدہ اٹھانے کی فکر میں تھے۔ انگریز نے حالات کا جائزہ لیتے ہوئے اس پر آمادگی کا اظہار کر دیا کہ قبائلی ۵۷۰۰ روپے سالانہ مواجب کے عوض پورے درہ کے کھلا رکھنے کی ذمہ داری سنبھال لیں۔ آفریدیوں نے یہ حالت دیکھی تو اپنی روش بدلتے ہوئے مطالبہ کیا کہ انہیں وہ تمام رقم دی جائے جو اس وقت تک انگریز درہ کوہاٹ میں آمد و رفت کے لئے ادا کر رہا تھا۔ انگریز کو اس شرط تسلیم کرنے میں اپنی شکست نظر آنے لگی کیونکہ اس سے اس کے مقاصد پر ضرب لگتی تھی۔

وہ دوسرے قبائل کو درہ کی سیاست میں ٹھونس چکا تھا اور افریدیوں کی مذکورہ شرط قبول کر لینے کی صورت میں وہ ان قبائل کو آئندہ کے لئے اپنے اغراض کے لئے استعمال نہ کر سکتا تھا اور نہ ہی ایک قبیلہ کو دوسرے قبیلہ کے خلاف برد آزما کیا جا سکتا تھا۔ معاملات نے پیچیدہ شکل اختیار کر لی۔ افریدی بھی اپنے فیصلہ پر ڈٹ گئے۔ انگریز بھی جھک نہ سکا۔ نتیجہ یہ کہ جرگہ ناکام رہا۔ کوئی سمجھوتہ ہو نہ سکا تو بلا کسی اقرار یا معاہدہ کے ارکان جرگہ رخصت ہو گئے۔

اس طرح حصول مقاصد میں انگریز کو کامیابی حاصل نہ ہوئی تو اس نے قبیلہ بنگش[1] سے برائے راست گفتگو شروع کر دی جو آدم خیل افریدیوں کے متصل آباد ہے۔ انگریز نے سوچا کہ اگر اس قبیلہ کو رام کر لیا جائے تو بوقت ضرورت اس کے ذریعہ کوہاٹ کی طرف سے درہ میں آمد و رفت بند کی جا سکتی تھی اور پشاور کی طرف تو خود انگریز کا کافی لشکریات کا مرکز موجود تھا۔ جھگڑا یا خنگ بہرحال درے میں ہوتی تھی اور ایسی حالت میں آدم خیل اور بنگش آپس میں ہی کٹ مرتے۔ انگریز کی یہ چال کامیاب رہی۔ قبیلہ بنگش کو اس پر آمادہ کر لیا گیا کہ وہ انگریز کی مدد سے کوتل پر قبضہ کر لے۔ اس طرح کوتل کے ہاتھ سے نکل جانے کا جو داغ انگریز کے دل پر لگ چکا تھا وہ بھی دور ہو سکتا تھا اور ان ہر دو قبائل کی آپس کی دشمنی بھی مستحکم ہو سکتی تھی۔

---

[1] کوہاٹ پر انگریزی قبضہ کے بعد قبیلہ بنگش کے ملک بہادر شیر خان کو کئی گاؤں کی سیادت اس شرط پر دی گئی تھی کہ وہ اس کے عوض مالیہ وصول کرے گا۔ لیکن تھوڑے ہی عرصہ بعد ۱۸۵۱ء میں اسے ایسی مشکلات درپیش آئیں کہ وطن کو خیرباد کہتے ہوئے افریدیوں کے قبیلہ سپاہ کے پاس جا مقیم ہوا انگریز کی کوشش سے پھر واپس لوٹا تو درہ کے افریدیوں سے سمجھوتہ کرا دیا گیا اور پھر درہ کے بالائی حصہ (اطراف کوہاٹ) کی نگرانی اس کے سپرد ہوئی جو اس کی وفات اگست ۱۸۸۰ء تک قائم رہی بہادر شیر خان کو ۱۸۷۷ء میں انگریزوں کی طرف سے خلعت اور نواب کا خطاب بھی ملا تھا۔

کوتل پر بنگش کا قبضہ اور اخراج

قبیلہ بنگش کے افراد نے اقدام شروع کیا تو کوہاٹ سے انگریز لشکر بھی ان کی امداد کو آپہنچا۔ ۱۱ر نومبر ۱۸۵۳ء کو اس مشترکہ لشکر نے کوتل پر یورش کر دی۔ آدم خیل جن کی نسبت خیال کیا جاتا تھا کہ حسب معمول میدان کارزار میں اتر آئیں گے، خلاف توقع تماشائی کی حیثیت میں دکھائی دینے لگے۔ ادھر اس مشترکہ لشکر سے گتھم گتھا ہونے کی بجائے بڑی خاموشی اور اطمینان سے کوتل کی چوکی کو چھوڑ کر چل دئے۔ قبیلہ بنگش نے اس پر قبضہ کرتے ہی حفاظتی برج بنانا شروع کئے۔ انگریز لشکر یہ سمجھتے ہوئے کہ آدم خیل تو مخالفت کرتے نہیں کوتل سے دور کمپ میں مقیم رہا۔ ادھر افریدیوں نے انگریزی اس چال کو دیکھتے ہوئے دوسرے ہی دن ۱۲ر نومبر کو کوتل پر اچانک حملہ کر دیا اور یہ حملہ اس شدت سے ہوا کہ انگریز لشکر کے پہنچنے سے قبل ہی قبیلہ بنگش کے افراد کوتل کو چھوڑ کر انگریزی کمپ میں جا پہنچے۔ بنگش قبیلہ کے تین ملک اس جنگ میں کام آئے۔ ایک انگریز کپتان کے بھی گولی لگی۔ انگریز کا بنا بنایا کھیل بگڑ گیا تو اس نے کوہاٹ سے تازہ دم لشکر طلب کرتے ہوئے خواجہ محمد خان خٹک کو بھی ہدایت کی کہ وہ اپنے افراد کو لے کر موقع پر پہنچ جائے۔ اب کوتل پر افریدی قابض تھے تو نیچے انگریز اپنے کمپ میں بیٹھا موقع کی تلاش میں نظر آنے لگا۔

معاہدہ دسمبر ۱۸۵۳ء

انگریز نے ان حالات میں صبر و حوصلہ سے کام لیا۔ فوری طور مزید لشکر کی روانگی کو التوا میں ڈالتے ہوئے سیاسی ریشہ دوانیاں شروع کر دیں۔ قبائل کو ایک دوسرے کے خلاف بھڑکایا جانے لگا۔ قبیلہ بنگش پر وہ اثر انداز تو تھا ہی۔ مزید اقدام کرتے

ہوئے قبیلہ بوستی خیل۔ سپاہ۔ اور جواکی کو سبز باغ دکھانا شروع کیے۔ تا آنکہ وہ بنگش کی امداد و اعانت پر رضامند ہو گئے۔ باقی قبائل نے یہ حالات دیکھے تو آپس میں کٹ مرنے کی بجائے اس پر اتفاق کر لیا کہ اگر انگریز ان کے مواجب کی رقومات باقاعدہ ادا کرتا رہے تو وہ درہ کوہاٹ کو آمد و رفت کے لئے کھلا چھوڑ دیں گے۔ اس طرح انگریز کا مقصد بھی پورا ہو سکتا تھا اور افریدی خانہ جنگی سے بھی بچ سکتے تھے چنانچہ جب انگریز کے سامنے یہ تجویز پیش ہوئی تو اس نے اسے قبول کر لیا۔ مواجب کی رقومات ادا کر دینے کا فیصلہ ہوا اور ان ایام کی رقومات بھی ادا کر دی گئیں کہ جن دنوں یہ قبائل انگریز سے مصروف جنگ رہ چکے تھے اس طرح یکم دسمبر کے فیصلہ میں قبیلہ بنگش کو تین ہزار دو سو روپے سالانہ مواجب ملا۔ اس کے دو دن بعد ۳ دسمبر کو جواکی اور دوسرے قبائل نے بھی معاہدہ[1] پر دستخط کر دیئے تو ذیل کی رقومات

---

[1] معاہدہ پر قبائلیوں کی طرف سے جن سربرآوردگان نے دستخط کئے ان میں سے چند کے نام یہ ہیں

شراکی۔ پائندہ خان۔ گل خان۔ میاں شیر۔ احمد خان۔ دوست محمد خان۔

طور سپر۔ ملا خان۔ اکرم خان۔ شیراز۔ گلستان۔

انخور۔ خان محمد۔ امیر۔ نورے۔ میرو۔ تاج خان۔ یوسف۔ میران۔ میر شکار۔ ضابطہ خان۔ جمعہ خان۔ جعفر خان

قاسم خیل۔ ملک سراج۔ قاسم۔ شاہ ولی۔ مشکی۔

اسمٰعیل خیل۔ بھوری خان۔ محب اللہ۔ محمود خان۔ فیروز۔ عمرے۔

جامو۔ شیر دین۔ خان گل۔ نامدار۔

پایہ۔ شیر باز۔ صاحب جان۔ یار خان۔ محمد مجیب۔

مواجب دکھائی دینے لگیں۔ بنگش تین ہزار دو سو۔ بوستی خیل اور جواکی دو دو ہزار۔ سپاہ پانچصد۔ اخور حسن خیل بارہ سو۔ اور ان کے ایک ملک کو ایک ہزار پچاس۔ بشراکی۔ طور سپہرا اور زرغن خیل کو نو سو پچاس روپے سالانہ ملے تو چھ ہزار روپے ان لوگوں میں تقسیم ہوئے جنہوں نے انگریز لشکر کو سامان بہم پہنچایا تھا۔ یا حقیقتاً ان لوگوں میں تقسیم ہوئے جو اس کشمکش میں خاموش رہے ان تمام رقومات کی ادائیگی اور تگ و دو کے باوجود افریدیوں نے درہ کوہاٹ میں پختہ سڑک تعمیر کرنے کی تجویز کو مسترد کر دیا تھا۔

قلعہ مکسن کی تعمیر

انگریز اور افریدیوں کے درمیان معاہدہ ہو جانے کے باوجود کوتل کا مقام زیر نزاع رہا۔ انگریز چاہتا تھا کہ اس کا مکمل اقتدار قائم رہے جبکہ افریدی اپنے قلب میں انگریزی علم نصب دیکھنا برداشت نہ کر سکتے تھے۔ طرفین حصول مقاصد کے لئے سرگرم عمل تھے طاقت و قوت کے ساتھ تدبر اور چالبازی سے کام لیا جا رہا تھا۔ دونوں مستقبل کی فکر میں غوطہ زن تھے چنانچہ پیش بندی کے طور انگریز نے پشاور کی طرف درہ کوہاٹ کے قریب ایک قلعہ تعمیر کیا تاکہ درہ میں آمد و رفت کی نگرانی کیجا سکے اس قلعہ کا نام پشاور کے کمشنر لفٹننٹ کرنل فریڈرک مکسن کے نام پر قلعہ مکسن رکھا گیا۔[1]

[1] لفٹننٹ کرنل فریڈرک مکسن پشاور کا پہلا انگریز کمشنر تھا جو ۱۰ ستمبر ۱۸۵۳ء کو ایک پٹھان کے ہاتھوں زخمی ہو کر ۱۴ ستمبر کو اس دنیا سے چل بسا۔ پشاور چھاؤنی میں اسے سپرد خاک کیا گیا۔ اور اس کی قبر پر جو کتبہ لگا اس کی عبارت خود گورنر جنرل نے لکھی تھی قتل کے الزام میں جس پٹھان کو تختہ دار پر لٹکایا گیا تھا اس کی لاش کو مرنے کے بعد جلا دیا گیا۔ یہ قلعہ پشاور کے جنوب میں سترہ میل اور درہ کوہاٹ کے شمال میں کوئی ۳ میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔ ابتداً اس میں دو سو پیادہ اور تین سو سواروں کے رہنے کی گنجائش تھی بعد میں جب اس کی فوجی اہمیت باقی نہ رہی تو اس کے بہت سے حصے کو گرا دیا گیا اور پھر وہ بارڈر پولیس (فرنٹئر کنسٹبلری) کی ایک چوکی کی حیثیت میں دکھائی دینے لگا۔

وادی بوری میں انگریز لشکر کا اقدام

دسمبر کا مذکورہ معاہدہ دیرپا ثابت نہ ہو سکا اندر ہی اندر، اختلافات پرورش پاتے رہے افریدیوں کو یقین تھا کہ انگریز کی ہر چال اس مقصد سے چلی جا رہی تھی کہ درہ کوہاٹ پر اس کا حاکمانہ اقتدار قائم ہو جائے۔ انگریز بھی اسی مقصد کے لئے کوشاں تھا۔ قبیلہ جواکی معاہدہ ۱۸۵۰ء سے مطمئن نہ تھا۔ اس وجہ سے وقتاً فوقتاً اس کی زبان سے عدم اطمینان کا اظہار ہو جاتا رہا۔ ناراضگی ظاہر ہوتی رہی۔ لیکن انگریز چونکہ دوسرے قبائل سے راہ و رسم پیدا کر چکا تھا اس وجہ سے اس نے اس طرف کوئی خاص توجہ نہ دی۔ ان کی دبی دبی ناراضگی کو درخور اعتنا نہ سمجھا۔ رفتہ رفتہ یہ اختلافات منظر عام پر آنے لگے اور ان اختلافات نے پشاور اور کوہاٹ کے علاقہ میں ہنگامہ آرائی کی شکل اختیار کر لی۔ درہ کوہاٹ کا راستہ پرخطر نظر آنے لگا۔

انگریز قبائلیوں کی ان حرکات کو برداشت نہ کر سکتا تھا۔ مٹھی بھر قوم سے الیسٹ انڈیا کمپنی کی وسیع طاقت و سلطنت مرعوب نہ ہو سکتی تھی۔ پشاور میں قلعہ مکسن کے مقام پر انگریز لشکر جمع ہوا۔ حملہ کی تیاریاں شروع ہوئیں۔ اور اس یقین کے ساتھ کہ فساد یا مخالفت کا مرکز علاقہ بوری تھا۔ اسی طرف لشکر کو یلغار کا حکم ملا۔ وادی بوری کم و بیش بارہ میل طویل اور دشوار گزار، پہاڑیوں میں واقع ہے۔ اس طرف جانے کے لئے کنڈاؤ اور سرغشہ کے دو ہی راستے ہیں۔ انگریز نے موخر الذکر راستہ اختیار کیا۔ افریدی بھی اپنی طاقت کے مطابق مقابلہ کے لئے تیار تھے۔ انگریزی لشکر کے قبائلی علاقہ میں داخل ہونے

کے ساتھ طرفین نے آگ برسانا شروع کی۔ انگریز اپنے پورے لاؤ لشکر اور سامان جنگ سے آراستہ و پیراستہ ہو کر اس قبیلہ کے خلاف نبرد آزما تھا کہ جس کے پاس پرانی قسم بندوق اور خنجر کے سوا کوئی اسلحہ نہ تھا۔ جس کے افراد وسائل رسل و رسائل سے قطعاً محروم تھے۔ جن کا راشن ان کی پشت پر لٹکی ہوئی ایک روٹی اور پانی کی تبک (واٹر باٹل) پر مشتمل تھا۔ اور اس راشن کے ختم ہو جانے پر انہیں مزید راشن پہنچانے کا کوئی ذریعہ دکھائی نہ دیتا تھا۔ اسلحہ و بارود کے سلسلہ میں ان کا نہ کوئی ذخیرہ تھا نہ آرڈیننس سٹور یا فیکٹری بلکہ قبیلہ کا ہر فرد گھر سے بندوق اور چند گولیاں لیکر نکلتا اور مستقبل کا دارومدار اس مال غنیمت پر رہتا کہ جو دوران جنگ میں انہیں انگریز سے حاصل ہو جائے۔ ایسے حالات میں بھی یہ قبائلی ایک ایک انچ زمین پر لڑتے رہے۔ انگریز لشکر کو پریشان کرنے میں انہوں نے کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا۔ پھر انگریز کو مزید مشکل یہ درپیش آئی کہ جو توپخانہ انگریز لشکر کی امداد کے لئے بھیجا گیا تھا اسے افریدیوں نے راستہ میں ہی مصروف رکھا۔ اس طرح انگریز کا لشکر دو حصوں میں تقسیم ہو گیا علاقہ بوری کی حفاظتی چوکیاں مسمار نہ کی جا سکیں۔ اور انگریز نے خیر اسی میں دیکھی کہ واپسی کا بگل بجا دیا جائے۔ البتہ انگریز نے حسب معمول راستہ کی ہر آبادی و مسکن کو پیوند زمین کرنے میں ہی بہادری مضمر دیکھی۔ اور ایسی بہادری کے بعد واپسی پر اس خطرہ سے کہ افریدی زیادہ پریشان نہ کریں اس نے کنڈاؤ کے راستہ سے پشاور کا رخ کیا۔ لیکن قبیلہ جواکی کے افراد اس راستہ پر بھی سایہ کی طرح انگریز لشکر کے ساتھ رہے اور اس لشکر کو لڑتے جھگڑتے قبائلی علاقہ سے باہر نکال آئے۔

ایک آزاد پٹھان قبائلی لباس میں

معاہدہ ۱۸۵۴ء

انگریز کو وادی بوری کی طرف اقدام سے کوئی فائدہ نہ ہوا۔ نہ تو قبائلی مرعوب ہوئے نہ ہی درہ کوہاٹ میں پرامن آمد و رفت جاری کرائی جا سکی۔ اختلافات بڑھتے ہی رہے۔ اس کے باوجود انگریز نے ہمت نہ ہاری۔ مختلف قبائل سے نامہ و پیام جاری رہا۔ علیحدہ علیحدہ ہر قبیلہ کو سبز باغ دکھانے کی کوشش ہوئی۔ بالآخر قبیلہ آدم خیل کے ذیلی قبیلوں کو جو بتاؤ جواکی کے نام سے موسوم ہیں اس پر رضا مند کر لیا گیا کہ وہ درہ میں آمد و رفت کی ذمہ داری سنبھال لیں چنانچہ اس غرض کے لئے ۱۱ جنوری ۱۸۵۴ء کو ایک معاہدہ پر دستخط ہوئے[1]۔ تمام افریدی قیدی رہا کر دیئے گئے معطل شدہ مواجب کی رقومات ادا کر دی گئیں اور ایک دفعہ پھر درہ میں آمد و رفت دکھائی دینے لگی۔

معاہدہ ۱۸۵۵ء

اس کے بعد ۱۸۵۵ء میں قبیلہ دولت زئی کی شاخ اتمان خیل نے درہ کے مواجب میں اپنا حق جتایا اور ظاہر کیا کہ جس وقت بیزوتی اور فیروز خیل سے انگریز معاہدہ کر رہا تھا اس وقت ان قبائل کے آپس میں تعلقات خوشگوار نہ تھے۔ لیکن اس باہمی اختلافات کے دور ہو جانے پر وہ مذکورہ قبائل کے ساتھ برابر کے شریک تھے اس وجہ سے انہوں نے اپنا حصہ رسدی طلب کیا۔ انگریز کا فائدہ اس میں تھا کہ زیادہ سے زیادہ قبائل کو مواجب میں شریک کرے۔ اس نے اتمان خیل کی حمایت کی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ۲۲ مارچ ۱۸۵۵ء کو ایک معاہدہ ہو گیا جس کی رو سے اس قبیلہ کا حق تسلیم کر لیا گیا[2]۔

---

[1] اس معاہدہ پر دستخط کرنے والوں میں ذیل کے افراد قابل ذکر ہیں۔ گلزنگ۔ موسیٰ خاں۔ عالم شیر۔ فتح شیر۔ محمد امین۔ مجید خان۔ زرین۔ [2] نوٹ صفحہ ۱۱۰ پر دیکھیئے۔

معاہدہ ۱۸۵۹ء

جب فریقین آپس میں ایک دوسرے کو شک و شبہ سے دیکھ رہے ہوں۔ تو اعتماد پیدا نہیں ہوتا۔ وقتی ضرورت دونوں کو مل بیٹھنے پر آمادہ کر سکتی ہے لیکن یہ اتحاد دیرپا نہیں ہو سکتا۔ انگریز اور قبائلیوں کے درمیان بھی وقتی ضروریات یا مجبوریاں دونوں کو متحد و متفق کرنے کا باعث بنیں۔ لیکن دلوں کے شکوک دور نہ کئے جا سکے۔ بہر حقیقت وہ دور ہو بھی نہ سکتے تھے۔ دونوں کے مقاصد جدا اور دونوں میں بنیادی اختلافات حائل تھے۔ انگریز چاہتا تھا کہ ہر قیمت ادا کر دینے پر وہ سرحد کی پہاڑیوں کو اپنے زیر تسلط لے آئے جبکہ قبائلی کسی قیمت پر طوق غلامی کو زیب گلو کرنے پر آمادہ نہ تھے۔ آزادی و غلامی کی جنگ تھی۔ یہی وجہ ہے کہ ہر معاہدہ پر دستخط کر دینے کے بعد بھی طرفین ایک دوسرے کو مشکوک نگاہوں سے دیکھتے تھے۔ اور ابھی کہ معاہدہ کی سیاہی پوری طرح خشک بھی نہ ہو پاتی تھی کہ پھر اختلافات اور ہنگامہ آرائی کی اطلاعیں سنائی دینے لگتی تھیں اس موقعہ پر بھی ایسا ہی ہوا۔ معاہدہ کو زیر عمل آئے ایک سال بھی نہ ہونے پایا تھا کہ اختلافات نے سر اٹھایا۔ انگریز نے نشہ اقتدار میں اسے رعونت سے کچل دینا چاہا۔ تو قبیلہ باسی خیل نے اینٹ کا جواب پتھر سے دینے کا فیصلہ کیا اور اپنے علاقہ سے نکل کر انگریز کے مقبوضہ علاقہ میں ہنگامہ آرائی شروع کر دی فروری ۱۸۵۵ء میں پشاور کے گرد و نواح میں ایک قتل ہوا۔ اور اس کے چند دن بعد موضع بڈھ بیر (ضلع پشاور) کے قریب انگریزی کیمپ پر ڈاکہ پڑا تو انگریز نے اس

(۲) نوٹ صفحہ ۹۹) اس معاہدہ پر ذیل کے نمائندگان نے دستخط کئے۔ ملک عوض خان۔ خان گل میاں عالم خان۔ خواجہ نور اکرام۔ منصور خان۔ پائندہ خان۔ عبدالسیم۔ کنیز خان۔ حسن خالد خان فقیر۔ مشکی۔ میاں اکبر حسین۔

قبیلہ کی ناکہ بندی کا اعلان کر دیا۔ مقبوضہ علاقہ میں جس قدر افراد مل سکتے تھے قید و بند میں ڈال دیئے گئے۔ مواجب کی ادائیگی روک لی گئی اس کے باوجود افریدیوں کی سرگرمیوں میں کوئی فرق نہ آیا۔ چھبیس دن تک درہ کوہاٹ سے کسی کو گزرنے کی ہمت نہ ہو سکی۔ اس کے بعد دوسرے قبائل کی کوشش سے کہ جو درہ کو کھلا رکھنے کی ذمہ داری لے چکے تھے۔ درہ میں آمد و رفت پھر جاری ہو گئی لیکن قبیلہ مذکور نے اپنی سرگرمیاں جاری رکھیں۔ انگریز نے جب دیکھا کہ ہینیوں کی ناکہ بندی کے باوجود باسی خیل ہتھیار پھینکنے پر رضامند نہ ہو سکے تو اس نے ایک نئی چال چلی اور ۱۸۵۶ء کے شروع میں بلا کسی معاہدہ یا گفتگو کے ناکہ بندی اٹھا دی۔ قیدی رہا کر دیئے۔ البتہ مواجب کی ادائیگی بند رہی۔ اب ان بدلے ہوئے حالات میں سلسلہ جنبانی شروع ہوئی اور مواجب کی ادائیگی کا اقرار کیا تو یہ قبیلہ بالآخر کہیں ۱۸۵۹ء میں جا کر اس امر پر رضا مند ہو سکا کہ درہ کوہاٹ کے راستہ میں کسی قسم مداخلت نہ کرے اور پانچ سال تک اس راستہ پر کوئی جنگ نہ لڑی جائے۔ چنانچہ معاہدہ پر دستخط ہوئے۔ یہ معاہدہ کچھ دیرپا ثابت ہوا۔ اور اختتام میعاد معاہدہ پر اسے ۲۱ فروری ۱۸۶۵ء تک وسعت دے دی گئی۔

قبائلیوں کی خانہ جنگی

مذکورہ معاہدہ کی میعاد توسیع کے دوران میں قبیلہ اخوڑوال باہمی نزاع کا شکار ہوا اور یہی کچھ قبیلہ باسی خیل کو در پیش تھا۔ اختلافات پیدا ہوئے یا کرا دیئے

گئے تھے اس طرح کہ وہ آپس میں گتھم گتھا ہونے لگے درہ کوہاٹ کے راستہ پر خطرات کے بادل امنڈ آئے۔ آمد و رفت کے لئے خطرہ پیدا ہوا ان حالات میں انگریز نے فروری ۱۸۶۵ء میں از خود درہ کے بند ہو جانے کا اعلان کر دیا۔ لیکن اس کے لئے یہ سودا بہت مہنگا پڑا۔ اسے خود لشپا در سے کوہاٹ جانے کے لئے کالاباغ کا طویل راستہ اختیار کرنا ناگزیر ہو گیا۔ مذکورہ قبائلیوں کے مواجب کی ادائیگی روک لی گئی لیکن وہ حصول مواجب کی خاطر باہمی جنگ و جدل کو بند نہ کر سکے۔ پھر سلسلہ نامہ و پیام شروع ہوا۔ بالآخر جب ۲۴ر اکتوبر کو یہ قبائلی اس پر رضامند ہوئے کہ وہ سڑک کو محفوظ رکھیں گے اور سڑک پر کسی قسم جنگ نہ لڑی جائے گی تو ۶ر نومبر ۱۸۶۶ء کو درہ میں آمد و رفت کے کھل جانے کا اعلان ہوا۔

اس فیصلہ اور اعلان کے باوجود قبیلہ حسن خیل اور باسی خیل دوسرے قبائل سے متفق الرائے نہ ہو سکے انہوں نے اس معاہدہ یا اقرار کی مخالفت شروع کر دی۔ انگریز جانتا تھا کہ ایسی حالت میں کہ دوسرے قبائل اقرار کر چکے تھے اسے صرف ان دو قبیلوں سے نبرد آزما ہونا پڑ گیا چنانچہ ۱۱ر فروری ۱۸۶۷ء کو ان قبائل کا مقبوضہ علاقہ میں داخلہ بند کر دیا گیا۔ ناکہ بندی شروع ہوئی۔ وہ بھی ہنگامہ آرائی پر اتر آئے۔ ملک دریا خان کو اپنی بہادری جوانمردی۔ جرات اور دلیری کے لئے شہرت حاصل تھی۔ بہت سے جانباز اس کے گرد جمع تھے۔ اس نے انگریز کا اعلان سنا تو ناکہ بندی توڑنے کا فیصلہ کیا اپنے ساتھیوں کو ساتھ لئے انگریز کو پریشان کرنے لگا۔ مقبوضہ علاقہ میں پیدا

کردہ شورش نے اس کی شہرت کو اور بھی چار چاند لگا دیئے۔ پہرہ دیتے ہوتے زندہ سپاہی اٹھالے گیا اور ہر فوجی پارٹی پر جو اس کے راستہ میں دکھائی دیتی فائر کرتا رہا۔ ادھر قبیلہ حسن خیل نے کالاباغ کے راستہ کو بھی پر خطر بنا دیا۔ ڈاک لوٹ لی۔ اور ہنگامہ آرائی میں آئے دن اضافہ ہی ہونے لگا۔

سڑک پر جنگ نہ لڑنے کا اقرار ۱۸۶۷ء

انگریز نے یہ حالت دیکھی تو قبائلی جرگہ طلب کیا۔ واقعات زیر بحث آئے۔ انگریز چاہتا تھا کہ اس ہنگامہ آرائی کا تمام قبائل کو ذمہ دار گردانے۔ قبائلی اسے تسلیم کرنے کو تیار نہ تھے۔ گفتگو میں ایسی گرمی پیدا ہوئی کہ ارکان جرگہ بحث ختم کئے بغیر اٹھ کر چل دیئے۔ اب جنگ ناگزیر تھی حریفین کو ایک دفعہ پھر اپنی طاقت دکھانے کا موقعہ ملا۔ انگریز پہلے سے ہی تیار تھا لشکر کو تیاری کا حکم ملا۔ اس کا ایک حصہ موضع جلوزئی (پشاور) اور دوسرا حصہ متنی (پشاور) میں جمع ہوا اور تیسرے حصہ کو ہدایت ملی کہ وہ کوہاٹ سے چل کر جاناخوار۔ کوہی اور تروبی کو برباد کرے ۸ اپریل ۱۸۶۷ء کو اس لشکر نے اقدام کرنا تھا جس کے ساتھ ایک ہزار خٹک بھی تھے جنکی عارضی خدمات انگریز نے حاصل کر لی تھیں انتظامات مکمل ہو چکے تو ۸ اپریل کو کہ لشکر نے اقدام شروع کرنے کا فیصلہ کیا خلاف توقع اور اچانک قبیلہ باسی خیل نے جنگ نہ لڑنے کا اعلان کرتے ہوئے گفتگوئے صلح پر اظہار آمادگی کر دیا۔ سلسلہ جنبانی ہونے لگی تو ۱۴ اپریل کو قبیلہ حسن خیل نے اس کی ہمنوائی شروع کر دی۔ بالآخر شرائط صلح طے پا گئیں قبائلیوں نے سات سال تک درہ کی سڑک پر کسی قسم جنگ نہ لڑنے کا اقرار کیا تو ان کے مواجب کی رقومات میں بالترتیب چار سو اور چھ سو روپے سالانہ

کا اضافہ کردیا گیا۔ اس طرح جنگ کے بادل بلا برسے واپس لوٹ گئے۔

وائسرائے ہند درہ کوہاٹ میں ۱۸۷۰ء

انگریز کو یقین تھا کہ قبائلی ایفائے عہد سے گریز نہ کریں گے تو درہ کی سڑک بے خوف وخطر استعمال ہونے لگی۔ چنانچہ ۱۸۷۰ء میں لارڈ میو وائسرائے ہند نے درہ کوہاٹ کا سفر اختیار کیا اور یہ پہلا وائسرائے ہند تھا جو اس راستہ سے گزرا۔ درہ میں آمد و رفت جاری رہی لیکن تھوڑے ہی عرصہ بعد پھر اختلافات شروع ہوئے۔ افریدی اپنے عہد پر قائم رہے درہ کے راستہ میں تو انہوں نے کسی قسم مداخلت نہ کی۔ لیکن انگریز کو پریشان کرنے کے لئے مقبوضہ علاقے میں ہنگامہ آرائی شروع کردی۔ چنانچہ زرغن خیل اور بوستی خیل قبائل کے افراد نے ۱۵ اپریل ۱۸۷۰ء کو انگریزوں کے چند افراد قتل کر دئے ان کا مال واسباب لوٹ لیا۔ جوش انتقام میں انگریز نے ان کی ناکہ بندی کا اعلان کیا۔ ان قبائل کے ان تمام افراد کو جو مقبوضہ علاقہ میں تھے گرفتار کرلیا۔ ان کے مال واسباب پر قبضہ ہوا۔ جس پر قبیلے نے احتجاج کیا تو انگریز نے جرگہ طلب کرلیا۔

قاتلوں کی حوالگی سے انکار

دوران گفتگو میں انگریز نے قاتلوں کی حوالگی کا مطالبہ کیا۔ جس پر ارکان جرگہ نے بتایا کردہ تحقیقات کرنے کے بعد رسم ملک کے مطابق خود ہی سزا تجویز کریں گے۔ لیکن انگریز قاتلوں کی حوالگی پر مصر تھا۔ اس اصرار کو دیکھتے ہوئے اسے صاف الفاظ میں بتادیا گیا کہ قبائلی رسم ملک کے مطابق دوسرے قبائل کے ایسے قاتلوں

کو بھی حوالہ نہیں کیا کرتے جنہوں نے ان کے پاس آکر پناہ لی ہو۔ چہ جائیکہ وہ اپنی قوم کے قاتل انگریز کے حوالہ کردیں۔ جب گفتگو میں گرمی پیدا ہوئی اور انگریز نے دیکھا کہ حالات بگڑنے لگے تھے تو اس نے اس شرط کو یوں بدل دیا کہ ملک باشو شیر دل زرغن خیل۔ اور لیسین بوستی خیل کو ایک ایک سال کے لئے اپنے گھروں سے نکال دیا جائے اور ان کے گھر جلا دیئے جائیں۔[1] افریدی اس شرط کو بھی تسلیم کرنے پر آمادہ نہ تھے۔ بحث جاری تھی کہ شیر بہادر خان بنگش کے بھائی عطا محمد خان نے کھڑے ہو کر اس شرط کو تسلیم کر لینے کا اقرار کر دیا۔ ارکان جرگہ عجیب الجھن میں پڑ گئے۔ رسم ملک کے مطابق جب تک ارکان جرگہ متفق نہ ہولیں فیصلہ کا اعلان نہیں کیا جاتا اور جب اعلان ہو جائے تو اس پر عمل درآمد فرض سمجھ لیا جاتا ہے، عطا محمد خان کا اعلان انگریز کے سامنے اس امر کا ثبوت پیش کر رہا تھا کہ جرگہ شرط کو تسلیم کر چکا۔ اب اگر ارکان جرگہ مخالفت کرتے تو دوگونہ مشکلات میں مبتلا ہو جاتے۔ اول تو ایک دیرینہ روایت کو ٹھیس لگتی۔ دوئم باہمی اختلافات پیدا ہو جانے کا خطرہ دامنگیر ہو جاتا اس وجہ سے خاموش ہو گئے۔ معاملہ ٹل گیا۔ درہ کوہاٹ میں دس دن تک آمد و رفت بند رہنے کے بعد پھر راستہ کھل گیا اور حالات معمول پر دکھائی دینے لگے۔

---

[1] جن افراد پر قتل کا الزام تھا ان میں ایک کا تعلق افریدیوں کے قبیلہ زخہ خیل (خیبر ایجنسی) سے تھا وہ درہ کوہاٹ کا باشندہ نہ تھا۔ اس وجہ سے مندرجہ بالا شرط میں اس کا ذکر نہ ہوا۔ بعد میں نذر علی نامی یہ شخص انگریز کے چنگل میں آ پھنسا تو اسے کوہاٹ کے مقام پر پھانسی دیدی گئی۔

درہ میں سڑک تعمیر کرنیکی پھر مخالفت

انگریز ابتداہی سے درہ میں پختہ سڑک تعمیر کرنے کی فکر میں تھا تاکہ پشاور اور کوہاٹ کے درمیان آمد و رفت کو آسان بنایا جا سکے، لشکر کی نقل و حرکت میں کسی قسم مشکل درپیش نہ آئے اور وقت ضرورت فوجی سامان اور رسل و رسائل میں سہولتیں میسر آئیں۔ لیکن افریدی اس پر ابتدا ہی سے رضامند نہ تھے اور مذکورہ اکثر جنگوں اور ہنگامہ آرائیوں کے پس پردہ بھی تعمیر سڑک کا سوال محو حرکت دکھائی دیتا ہے۔ رفتہ رفتہ جب انگریز کو مقبوضہ علاقہ پر اقتدار حاصل ہو گیا۔ اس کی گرفت مضبوط ہو چکی اور اس کے پنجے سرزمین سرحد پر گڑھ چکے تو کیپٹن گیو کناری[1] نے ۱۸۷۳ء میں پھر اس مسئلہ کو ہوا دی۔ حکومت مرکزیہ کو اس کی ضرورت اور اہمیت کا احساس دلایا۔ افریدیوں کو اس کی خوبیوں اور اس سے حاصل ہونے والے فوائد کا قائل کیا جانے لگا۔ قبیلہ بنگش کے بہادر شیر خان انگریز کی طرف سے پیش پیش تھے۔ طویل گفتگو اور بحث مباحثوں کے بعد جب بہادر شیر خان نے حکام کو یقین دلا دیا کہ تعمیر سڑک کے مسئلہ میں قبائلی مخالفت نہ کریں گے۔ تو جولائی ۱۸۷۳ء میں اس سڑک کی تعمیر کا آخری فیصلہ کر دیا گیا۔ لیکن بہ ایں ہمہ کوئی ڈیڑھ سال تک اس کا رسماً اعلان نہ ہوا۔

ملک بہادر شیر خاں کی مساعی سے قبائلیوں کی اکثریت رضامند

---

[1] کیپٹن گیو کناری بعد میں حکومت ہند کی طرف سے افغانستان میں سفیر مقرر ہوا۔ اور کابل میں ہی اسے قتل کر دیا گیا تھا۔ پٹھان اسے عام طور کامناری صاحب کے نام سے یاد کرتے ہیں۔

ہو چکی تھی۔ لیکن باشندگان موضع شرکی کو رضامند نہ کیا جا سکا۔ انہوں نے علانیہ مخالفت شروع کردی۔ سڑک پر بڑے بڑے پتھر پھینک دیئے۔ آنے جانے والوں کو بھی پریشان کیا جانے لگا۔ اور حالات اس قدر بگڑ گئے کہ درہ میں آمد و رفت بندکر دینے کے سوا چارہ کار ہی نہ رہا۔ چنانچہ ۲۷ دسمبر ۱۸۷۵ء کو انگریزوں نے اس راستہ کے بند ہو جانے کا اعلان کردیا۔ اور مزید گفتگو کے لئے جرگہ طلب کیا۔ افریدی بذریعہ گفتگو فیصلہ کرنے پر رضامند تھے۔ لیکن باشندگان شراکی نے اپنی مخالفت نہ چھوڑی اور علاوہ ازیں رسم ملک کے خلاف جرگہ میں شمولیت سے ہی انکار کردیا۔ جرگہ طلب کرنے والے انگریز کے لئے اس سے بڑھکر اور ذلت کیا تھی کہ اس کی دعوت پر شراکی جرگہ میں ہی شمولیت نہ کریں۔ انگریز نے گفتگو کے بجائے جرگہ کو التوا میں ڈال کر ان کی ناکہ بندی کے احکام جاری کر دیئے، فروری ۱۸۷۶ء کو ناکہ بندی کا اعلان ہوا تو شرکیوں نے ہنگامہ آرائی میں اور شدت پیدا کردی درہ کا راستہ تو بند تھا ہی مقبوضہ علاقہ میں ڈاکے ڈالے جانے لگے حتےٰ کہ ۱۶ فروری کو ان لوگوں نے وہ حفاظتی چوکیاں بھی جلادیں جو قبیلہ اورک زئی اور جواکی کے قبضہ میں تھیں ان حالات میں ناکہ بندی کو اور سخت کر دیا گیا اور جن افراد کی نسبت خیال ہوا کہ وہ اس ہنگامہ آرائی میں امداد کر رہے تھے انکا مقبوضہ علاقہ میں مال و اسباب ضبط کر لیا گیا اور جنکی قابل کاشت اراضی درہ کے قریب تھی اس پر بھی انگریز نے قبضہ جمایا۔ ۱۷ فروری کو بھاری فوجی جمعیت کی نگرانی میں انکی فصل کاٹ دی گئی افریدی بھی خاموش نہ تھے۔ وہ موضع کوٹلے کے قریب مقیم ہوکر مقابلہ کرتے رہے نتیجہ یہ ہوا کہ جو لوگ سڑک تعمیر کرنے کے مسئلے میں انگریز کے ہمنوا بن چکے تھے ان حالات میں وہ بھی ایکدفعہ پھر انگریز کی مخالفت پر اتر آئے۔

ملک نعیم خان کی سرگرمیاں

قبائلی غیر مطمئن ہو کر ہنگامہ آرائی پر اتر آئے۔ انگریز نے نامہ پیام کے ذریعہ انہیں مطمئن کرنے کی کوشش کی۔ ملک بہادر شیر خان پوری مستعدی سے سمجھوتہ کرانے کے لئے تگ و دو کرتا رہا اور اس کی کوششیں بڑی حد تک کامیاب بھی ہوئیں۔ آہستہ آہستہ قبائلی قیام امن کے لئے رضامند ہونے گے۔ لیکن قبیلہ حسن خیل آمادہ بہ صلح نہ ہو سکا۔ بلکہ اس نے قبائلی علاقہ سے نکل کر مقبوضہ علاقہ میں ادھم مچایا۔ ان دنوں اس قبیلہ کے ملک نعیم خان کو شہرت حاصل تھی اس کی بہادری اور دلیری کے چرچے ہر طرف سنے جا رہے تھے۔ مقبوضہ اور آزاد دونوں علاقوں میں گھر گھر اس کی تعریف میں اشعار گائے جانے لگے۔ (اور اس وقت تک یہ اشعار سنے جاتے ہیں)۔ وہ اپنے ساتھیوں کو لئے مقبوضہ علاقہ میں مختلف مقامات پہنچکر انگریز کو پریشان کرنے کا باعث بنا۔ اس نے پشاور سے لے کر نوشہرہ تک جا بجا ہاتھ مارا۔ اور ۱۰ فروری ۱۸۷۷ء کو پولس کی ایک چوکی کو لوٹ لیا جس میں دو سپاہی مارے گئے۔ اس کے بعد نوشہرہ کے بازار کو جہاں فوج اور پولس مقیم تھی جا لوٹا۔ ناکہ بندی بے کار نظر آنے لگی۔ تو انگریز نے سیم وزر کی چھنکار اور بیچ بچاؤ کرنے والوں کی امداد سے معاملہ کو سلجھانے کی فکر کی۔ نعیم شاہ کے خلاف کسی سخت اقدام کا ارادہ تک ظاہر نہ ہوا۔ بالآخر انگریز نے جب یہ وعدہ کر لیا کہ نعیم شاہ کے خلاف کوئی کارروائی نہ کی جائے گی تو فروری کے اواخر میں قبیلہ حسن خیل آمادہ بہ صلح ہو گیا۔

پھر مارچ ۱۸۷۷ء میں قبیلہ گللئے نے اس پر اظہار رضامندی کیا کہ انگریز کوہاٹ سے کوتل تک سڑک تعمیر کرلے اس طرح ایک دفعہ پھر اطمینان کا سانس لیا جانے لگا۔ اور وقتی طور جنگ کے بادل فضا سے دور نظر آنے لگے۔

درہ میں گورنر پنجاب کی آمد

اس دوران میں ۲۶ مارچ ۱۸۷۷ء کو لفٹننٹ گورنر پنجاب نے کوہاٹ سے درہ کے راستہ پشاور کا سفر اختیار کیا۔ بہادر شیر خان کو جو سڑک کی تعمیر کے سلسلہ میں قبائلیوں کو رضامند کرنے کی انتھک کوشش کر رہا تھا "نواب" بنا دیا گیا۔ انگریز نے اس کی خدمات کا اعتراف کیا قبائلیوں کے مواجب ادا ہونے لگے جو اس وقت یوں دکھائی دے رہے تھے۔

آدم خیل[1] ۶۹۴۰ روپے
ادرک زئی[2] ۲۵۰۰ "
بنگش ۴۴۰۰ "

---

[1] آدم خیل اخوڑ: حسن خیل ۲۱۵۰ - زرغن خیل ۴۰۰ - طور سپر ۹۵۰ - بوستی خیل ۹۵۰ - شرکی ۷۱۵ - سپکے ۷۱۵ - ۶۰ - باسی خیل ۱۰۰۰ روپے } میزان ۶۹۴۰

[2] ادرک زئی: - فیروز خیل ۱۰۰۰ - بیزدتی ۵۰۰ - اتمان خیل ۵۰۰ - سپاہ ۵۰۰ } میزان ۲۵۰۰

البتہ قبیلہ جواکی کا مواجب بند رہا۔ اس قبیلے کے افراد نے اپنی سرگرمیاں جاری رکھیں۔ چنانچہ ۱۰ جولائی ۱۸۷۷ء کو کوہاٹ اور خوشحال گڈھ کے درمیان سلسلہ تلغراف کاٹ ڈالا۔ پولیس کا ایک دستہ قیدیوں کو لے جا رہا تھا ان قبائلیوں نے ان سب کو اپنی حراست میں لے لیا۔ ان کی سرگرمیوں نے ایسی شدت اختیار کی کہ پنجاب کی طرف جانے والی سڑک (خوشحال گڈھ) خطرہ میں گھری نظر آئی۔ اس سڑک پر انگریزی لشکریوں کی لاشیں تڑپنے لگیں۔ مال اسباب لوٹا جاتا رہا۔ سلسلہ تلغراف کے تار آئے دن کاٹے جاتے رہے۔ اور راستہ کی ایک اہم پل کو نذر آتش کر دیا گیا۔ انگریز نے یہ حالت دیکھی تو اس مخالفت کو کچلنے کے لئے فوجی دستے روانہ کئے۔ لیکن اس سے حالات بدل نہ سکے حتےٰ کہ ایک پورے دستہ کو ان لوگوں نے تہ تیغ کر ڈالا۔

قبیلہ گدیا خیل پر انگریز کا شبخون

درہ کوہاٹ میں آمد و رفت کھل جانے کے تھوڑے ہی عرصہ بعد جواکیوں کی ہنگامہ آرائی کے دوران میں قبیلہ گدیا خیل سے اختلافات رونما ہوئے تو جلد ہی حالات بگڑنے لگے۔ اس دفعہ کسی صلاحیت کی کوشش سے قبل ہی انگریز نے حملہ کرنے کا فیصلہ کیا۔ چنانچہ ۱۴ اگست ۱۸۷۷ء کو رات کی تاریکی میں نہایت رازداری سے اقدام شروع ہوا۔ سوار تو سوار تھے ہی۔ پیادہ فوج کے لئے کرایہ کی گھوڑا گاڑیاں حاصل کی گئیں تاکہ سوار دہ پیادہ

بہ یک وقت منزلِ مقصود تک پہنچ سکیں۔ انگریز کی یہ چال کامیاب رہی اس لشکر نے قبائلیوں کو سوتے میں جالیا۔ اور جب ان کی آنکھ کھلی تو لشکر چاروں طرف گھیرا ڈالے دکھائی دیا۔ ایسی حالت میں جنگ نہ لڑی جا سکتی تھی اور شرائطِ صلح تسلیم کر لینے کے سوا کوئی چارہ کار ہی نہ تھا انگریز نے اس قبیلہ کے کوئی ایک سو نو جوانوں کو بطور یرغمال ساتھ لیا تاکہ صلح کی خلاف ورزی نہ کی جا سکے اور اس کے ساتھ کوئی ایک سو مویشی بھی یہ لشکر اپنے ساتھ ہانک کر لے گیا۔

جواکیوں کے خلاف لشکرکشی ۱۸۷۷ء

انگریز جواکیوں کی حرکات سے سخت پریشان ہو رہا تھا۔ بالآخر اس نے ان کے خلاف باقاعدہ اقدام کا فیصلہ کیا۔ ۹ نومبر ۱۸۷۷ء کو بھاری تعداد میں لشکر کو روانگی کا حکم ملا جنگ آنکھوں کے سامنے دکھائی دے رہی تھی لیکن جب یہ لشکر قبائلی علاقہ میں پہنچا تو خلاف توقع افریدیوں نے حرکت تک نہ کی وہ تماشائی کی حیثیت میں دکھائی دینے لگے۔ انگریز نے بڑے اطمینان سے ترکئے اور پایا پر قبضہ کر لیا۔ اس وقت بارش زوروں پر تھی۔ اس وجہ سے مزید اقدام جاری نہ رہ سکا۔ انگریز بارش تھم جانے کا انتظار کرنے لگا۔ اور افریدیوں کی روش دیکھتے ہوئے اسے یقین ہوگیا کہ افریدی جنگ لڑنا نہ چاہتے تھے۔ لیکن آسمانی بارش ختم ہونے کو تھی کہ انہوں نے اچانک آگ برسانی شروع کر دی۔ باقاعدہ جنگ لڑی جانے لگی۔ انگریز لشکر اپنی کثرت تعداد اور فراوانی سامان

جنگ کی وجہ سے پیش قدمی کرتا رہا حتے کہ اس نے جامو پر بھی قبضہ کر لیا۔ افریدی جم کر لڑ رہے تھے۔ اور حالت یہ تھی کہ انگریز لشکر چار دن تک وہیں مقیم رہا اور بالآخر جامو کو خالی چھوڑ کر اس نے تو تکئے کی راہ لی۔

بوری وال افریدیوں کو پہلے سے غیر جانبدار رہنے پر رضامند کیا جا چکا تھا۔ لیکن جب انگریز نے بلا اطلاع دیئے شاہ کوٹ کا راستہ اختیار کیا تو وہ سمجھے کہ ان سے دھوکہ ہوا۔ اس وجہ سے مخالفت پر اتر آئے۔ اب انگریز لشکر کی حالت خطرہ میں دکھائی دینے لگی اور مزید امدادی فوج کا روانہ کرنا ناگزیر ہو گیا۔ پیش بندی کے طور ایسی امداد پہنچانے کا انتظام پہلے سے ہی کیا جا چکا تھا۔ قلعہ مکسن میں ہوراول سے ہی امدادی لشکر حکم کا منتظر بیٹھا تھا۔ چنانچہ ۴ر دسمبر ۱۸۷۷ء کو وہ شیر غشہ اور کنڈاؤ کے راستہ سے قبائلی علاقہ میں داخل ہوا۔ افریدی مقابلہ کے لئے تیار تھے۔ ۷۔ ۸۔ اور ۹ر دسمبر کو شدید جنگ ہوئی انگریز نے اس دوران میں علاقہ بوری کے چند حفاظتی برجوں کو مسمار کر دیا۔ اور پھر اس کارنامہ کے بعد واپسی کا بگل بجایا انگریز لشکر ایک مہینہ سے زائد مصروف جنگ رہ کر واپس لوٹا۔ اتنی جنگ و جدل اور خونریزی کے بعد بھی حالات جوں کے توں رہے اور ان میں کسی قسم کا فرق نہ آیا۔

قبیلہ جواکی سے معائدہ ۱۸۷۸ء

ان حالات میں انگریز خاموش نہ رہ سکتا تھا۔ اس کا اقتدار اور اس کے اغراض دونوں خطرہ میں گھر چکے تھے۔ اس وجہ سے اس نے فیصلہ

کیا کہ اس موقعہ پر ایک ہی دفعہ ایسی کاری ضرب لگائی جائے کہ قبیلہ جواکی آئندہ کے لئے سر نہ اٹھا سکے۔ اور اس میں اسے بڑی حد تک کامیابی بھی ہوئی۔ وسیع پیمانے پر جنگ کی تیاریاں شروع ہوئیں۔ قلعہ مکسن کو لشکر کے اجتماع کے لئے مرکز قرار دیا اور وہاں سے ۲۵ر دسمبر ۱۸۷۷ء کو پورے ساز و سامان سے لشکر نے بوری چینا کی طرف اقدام شروع کیا۔ افریدی بھی اپنے دفاع کے لئے جانیں قربان کرنے کو تیار کھڑے تھے۔ جنگ لڑی جانے لگی۔ انگریز لڑتے جھگڑتے آگے بڑھتا رہا۔ ۳۱ر دسمبر کو اس نے پیتونئے کو برباد کیا۔ تو یکم جنوری ۱۸۷۸ء کو ولئے اور گرائے کو پیوند زمین کرتے ہوئے اس نے شیر غاشہ کی راہ لی۔

دوسری طرف کوہاٹ سے ۳۱ر دسمبر کو انگریز لشکر نے پیش قدمی شروع کی تو راستہ کی آبادیوں کو برباد کرتے ہوئے ترکئے کا رخ کیا۔ قتل و خونریزی جاری رہی۔ افریدی بڑی پامردی سے مقابلہ کرتے رہے۔ مقابل میں انگریز نے بھی جبر و استبداد میں کسی طرح کمی آنے نہ دی۔ مقابلہ سخت تھا۔ افریدی گو تعداد اور سامان جنگ کی کمی کی وجہ سے کسی طرح انگریز کے مد مقابل نہ تھے۔ تاہم انہوں نے انگریز کو اس قدر پریشان کیا کہ ۱۴ر جنوری کو پشاور سے پیتونئے اور کوہاٹ سے ورگئی سر کی طرف تازہ دم لشکر روانہ کرنا پڑا۔ پشاور کی طرف سے آنے والے لشکر نے ۱۵ر جنوری کو دلئی میں کیمپ نصب کرتے ہوئے ۱۶ر جنوری کو طور سپیر پر حملہ کر دیا۔ دوسرے لشکر نے ۱۷ر جنوری کو نارو خلہ کا رخ کیا تو وحشت و بربریت کے اظہار میں کوئی کسر باقی رہنے نہ دی گئی۔ لیکن اس تمام جبر و استبداد کے باوجود قبائلیوں کو مطیع نہ کیا جا سکا اور جب افریدیوں

نے کسی طرح اظہار کمزوری نہ کیا تو انگریز نے لشکر کو واپس بلا لیا اور ایک دفعہ پھر مجبوراً نامہ و پیام کا حربہ استعمال ہونے لگا اور حسب معمول افریدیوں کو جرگے بلائے جانے لگے۔

حقیقت یہ ہے کہ افریدی بھی طویل جنگ سے تنگ آچکے تھے انگریز اپنی پالیسی میں کامیاب فرداً فرداً ایک ایک قبیلہ سے نپٹ رہا تھا۔ ان حالات میں ان کے اکثر ملکوں نے صلح کر لینے پر اظہار رضامندگی کر دیا اور جب انگریز نے انہیں یقین دلایا کہ ان کی آزادی میں کسی قسم مداخلت نہ کی جائیگی تو قبیلہ جواکی نے کہ جس کے خلاف یہ سب ہنگامہ آرائی ہو رہی تھی ۲۴ مارچ ۱۸۷۸ء کو اقرار کر لیا کہ وہ آئندہ انگریز کو پریشان نہ کرے گا اور ساتھ ہی تاوان جنگ (۲۳ پرانی وضع کی بندوقیں اور پچاس روپے نقد) بھی پیش کر دئے۔ اس معاہدہ کی شرائط میں یہ بھی مذکور تھا کہ قبیلہ از خود اپنے چار ملکوں کو جنہیں جنگ و مخالفت کا سرغنہ خیال کیا جاتا تھا اپنے علاقہ سے نکال دے گا اور دویم یہ کہ انگریز کو اگر کسی وقت کسی ضرورت سے قبائلی علاقہ میں کسی جگہ کی تلاشی لینا پڑے تو قبیلہ اس پر بھی معترض نہ ہوگا۔ یہ دونوں شرائط ایسی تھیں جن سے اس قبیلہ کے ناقابل بیان حد تک کمزور ہو جانے کا پتہ چلتا ہے۔ کیونکہ اس وقت تک کسی چھوٹے بڑے قبیلہ نے ایسی شرائط تسلیم نہ کی تھیں۔ جن ملکوں کے علاقے سے نکالے جانے کا ذکر تھا وہ از خود علاقہ کو چھوڑ گئے تاکہ ان کی وجہ سے کمزور قبیلہ اور زیادہ کمزور نہ ہو۔ لیکن بہت دن گزرنے نہ پائے تھے کہ اس قبیلہ کے بعض افراد نے ملکوں کے اخراج

قائد اعظم محمد علی جناح

مولانا محمد علی جوہر
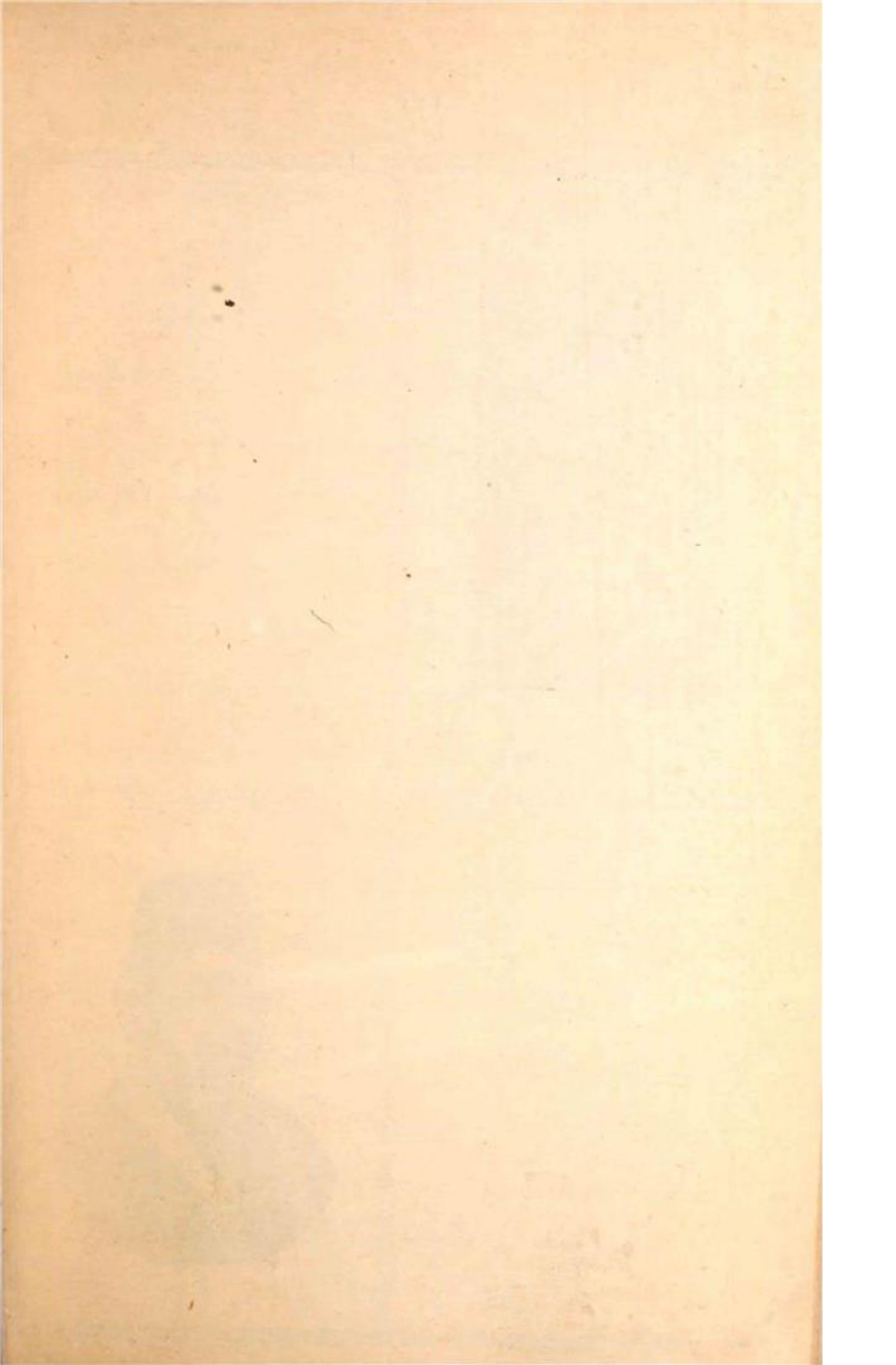
کی شرط کو اپنی خودداری کے خلاف گردانتے ہوئے انہیں واپس بلا لیا۔ انگریز خاموش رہا۔ اور حقیقت یہ ہے کہ ان ملکوں نے بھی واپسی کے بعد کوئی ایسی حرکت نہ کی جس سے انگریز کو اقدام کا بہانہ ملتا۔ البتہ قبیلہ کے ایک ملک مشکی خان نے اس شرط کو اپنے بھائی کی بے عزتی پر محمول کرتے ہوئے بدلہ لینے کی ٹھانی اور مسلسل دس سال تک انگریز کو پریشان کرتا رہا۔ قبیلہ جواکی اس دوران میں خاموش رہا اور جب کبھی ملک مشکی کا سوال پیش ہوا تو اس قبیلہ نے اسے ملک مشکی خان کا ذاتی فعل قرار دیتے ہوئے اپنے آپ کو بری الذمہ قرار دیا۔ بالآخر نومبر ۱۸۸۹ء میں انگریز لشکر نے اچانک حملہ کرتے ہوئے ملک مشکی خان کو اس کے گاؤں میں جاکر گرفتار کیا۔

معاہدہ ۱۸۹۲ء

قبیلہ جواکی کی خاموشی کے پیش نظر انگریز مطمئن نظر آنے لگا۔ درہ کوہاٹ کے باشندوں کو آئے دن کی جنگوں اور دوسرے ذرائع سے کمزور بنا دیا گیا تا آنکہ انہوں نے مذکورہ بالا شرائط تسلیم کر لیں۔ پھر جب ملک مشکی خان گرفتار ہوا تو انگریز کے پہلو سے یہ آخری کانٹا بھی دور ہوا۔ اب ایک جدید معاہدہ کی داغ بیل ڈالی جانے لگی۔ گرے ہوئے کو گرانا ہر مستبد طاقت ور کا اصول رہا ہے۔ چنانچہ قبیلہ جواکی پر اثر ڈالا گیا کہ وہ اپنے علاقہ میں چار چوکیاں تعمیر کرے۔ ہر چوکی میں چار نفر مقیم رکھے جائیں۔ اس وقت اس قبیلہ میں اتنی سکت نہ تھی کہ مخالفت کرتا۔ رضا مند ہو گیا تو انگریز نے ۱۸۴۸ روپے سالانہ

حق الخدمت دینے کا اقرار کیا۔ ۱۸۹۲ء میں اس معاہدہ پر دستخط ہوئے۔ اس طرح ۱۸۵۱ء اور ۱۸۵۳ء کے معاہدے منسوخ قرار دیدیئے گئے۔

نمک کے محصول پر اختلاف۔

افریدیوں کے علاقہ میں نمک کی مشہور کانیں ہیں۔ وہ زمانہ قدیم سے اس نمک کی تجارت کرتے رہے۔ انگریز نے اس سرزمین پر قدم رکھنے کے تھوڑے ہی عرصہ بعد ۱۸۵۰ء میں دو آنے سے چار آنہ فی من محصول عائد کر دیا تھا عرصہ دراز تک یہ محصول ادا کیا جاتا رہا۔ کوئی وجہ اختلاف پیدا نہ ہوئی حالات بدلنے کے ساتھ ہی انگریز کو اس محصول کی شرح میں اضافہ کا خیال پیدا ہوا۔ تو ۱۸۸۳ء میں محصول کو آٹھ آنے فی من تک بڑھا دیا گیا۔ اب اختلافات شروع ہوئے افریدیوں نے اس اضافہ کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔ ان کا کہنا تھا کہ انگریز نے ابتداً محصول عائد کرتے وقت مالکان زمین سے مشورہ کر لیا تھا۔ ان کی رضامندگی سے محصول کی شرح مقرر ہوئی تھی۔ پھر اب بلا کسی مشورہ کے اس میں اضافہ کا انگریز کو کیونکر حق حاصل ہو گیا۔ لیکن جب یہ مسئلہ حکومت برطانیہ کے سامنے آیا

---

(۱) اس معاہدہ پر دستخط کرنے والوں میں ذیل کے نام دکھائی دیتے ہیں ملک بہاری۔ ملک بہرام ملک علم دین۔ ملک عالم دین (جواکی اسمٰعیل خیل)، ملک فتح خان۔ ملک قادر ے۔ ملک السی۔ ملک قدر (جواکی قاسم خیل)۔ ملک مشکی۔ ملک عالم گل۔ ملک زرباز۔ ملک محمد عالم۔ ملک زرین۔ ملک تہران ملک صدر۔ ملک ساغر۔ ملک عالم خان۔ ملک شندی گل۔ ملک عزن شاہ۔ ملک عمر خان۔ ملک شگی (جامو) ملک ضمیر۔ ملک حمید۔

تو اس نے اسے حکومت کا نجی یا اندرونی معاملہ قرار دیتے ہوئے فیصلہ کیا کہ ایسے معاملات میں افریدیوں کو مداخلت کرنے کا کوئی حق نہ تھا۔ اس فیصلہ نے بگاڑ کی صورت پیدا کر دی۔ بوستی خیل اور شرا کی قبائل مقابلہ پر اتر آئے۔ انہوں نے سختی سے مخالفت کی۔ گوزرغن خیل اور اخور وال بظاہر ان کے ہمنوا تھے لیکن ان کی سرگرمیاں کوئی خاص اہمیت حاصل نہ کر سکیں اور طور سپر والے اس جھگڑے میں الگ تھلگ کھڑے دکھائی دیئے۔ انگریز نے یہ حالت دیکھی تو جون ۱۸۸۳ء میں جرگہ طلب کرتے ہوئے اپنی مافی الضمیر کو ظاہر کر دیا اور بتا دیا کہ اگر افریدی مخالفت پر اڑے رہے تو یکم جولائی سے ان کے مواجب بند کر دیئے جائیں گے۔ اور جہاں تک حکومت کا تعلق ہے درہ کا راستہ بند رہے گا۔ البتہ جو لوگ اپنی ذمہ داری پر اس راستہ سے سفر کرنا چاہیں ان کے راستہ میں حکومت کسی قسم رکاوٹ نہ ڈالے گی۔ بحث مباحثہ کے بعد ارکان جرگہ اٹھکر چل دیئے۔ نامہ و پیام جاری رہا۔ بالآخر، ستمبر ۱۸۸۳ء میں سوائے بوستی خیل کے ذیلی قبیلہ مصری خیل کے باقی ملکوں نے اس اضافہ کو تسلیم کر لیا اور اس کے تین دن بعد یعنی ۱۰ ستمبر کو مصری خیل بھی ان کے ہمنوا بن گئے تو جنگ کے بادل چھٹے اور ایک دفعہ پھر امن و امان دکھائی دینے لگا۔

سڑک تعمیر کرنے کا آخری معاہدہ ۱۸۹۹ء

درہ کوہاٹ کا علاقہ اور اس کی آبادی بہت ہی محدود ہے۔ باشندوں کے ذرائع آمد و رفت اور وسائل زندگی بھی محدود ہیں۔ درہ کے ایک طرف پشاور

اور دوسری طرف کوہاٹ میں انگریز لشکر ہر وقت ڈیرے جمائے بیٹھا تھا۔ دونوں اطراف سے بہ آسانی ناکہ بندی کی جاسکتی تھی۔ پھر شمالاً جنوباً دوسرے قبائل آباد ہیں جن سے صلح و دشمنی باشندگان درہ کی حرکات پر ہمیشہ اثر انداز رہتی ہے۔ ان حالات اور مشکلات میں بھی یہ مٹھی بھر قوم انگریز جیسی طاقتور حکومت کا مردانہ وار مقابلہ کرتی رہی ۱۸۵۱ء سے ۱۸۹۲ء تک انگریز کو دم لینے نہ دیا۔ لیکن اس قدر طویل جنگ اور محدود ذرائع کی وجہ سے اس کا بالآخر کمزور ہوجانا ناگزیر تھا۔ چنانچہ رفتہ رفتہ اس کی کمزوری ظاہر ہونے لگی اور یہ اس کمزوری کا ہی اثر تھا کہ جب ۱۸۹۷ء میں سرحد پر قریب قریب تمام قبائلی علاقہ نے انگریز کے خلاف ہتھیار اٹھائے اور قومی جنگ[1] کا نعرہ بلند ہوا۔ تو اس میں قبیلہ آدم خیل کا کوئی نمایاں ذکر دکھائی نہیں دیتا۔

انگریز نے اب ان کی کمزوری سے فائدہ اٹھانا چاہا اور ہر موقع ملنے پر اپنے اغراض پورے کئے۔ درہ کوہاٹ میں پختہ سڑک کی تجویز انگریز نے اپنی آمد کے بعد سے ہی پیش کر رکھی تھی۔ لیکن جنگ و جدل کے باوجود یہ سڑک تعمیر نہ کی جاسکی۔ افریدی اس تجویز کو پسند نہ کرسکے۔ انگریز بھی مسئلہ کو التوا میں ڈالتا رہا۔ تا آنکہ ملک کے حالات کا صحیح جائزہ لیتے ہوئے اس نے ۷ ستمبر ۱۸۹۹ء کو یہ مسئلہ جرگہ کے سامنے پیش کردیا۔ ۱۸۹۷ء کی جنگ میں انگریز اپنی طاقت کا مظاہرہ کرچکا تھا۔ وہ جنگ اختتام پذیر ہوچکی تھی۔ باشندگان درہ کوہاٹ اپنی کمزوری اور انگریز کی طاقت سے اب ناواقف نہ تھے ان کے سامنے اقرار یا انکار دو ہی صورتیں تھیں اور جانتے تھے کہ انکار کی صورت میں بھی انگریز اپنی طاقت سے سڑک تعمیر کرے گا چنانچہ باہمی مشورہ کے لئے وقت لے کر ارکان جرگہ رخصت ہوئے اور پھر باہمی صلاح و مشورہ کے بعد

---

[1] دیکھو کتاب کا حصہ اول "محاربہ تیراہ"

۱۸ ستمبر ۱۸۹۹ء کو بستی خیل۔ شراکی۔ زرغن خیل اور اخوڑوال قبائل کی طرف سے معاہدہ پر دستخط کر دیئے۔ جس کی رو سے انگریز کو نہ صرف یہ کہ درہ کوہاٹ میں پختہ سڑک تعمیر کرنے کا حق حاصل ہو گیا بلکہ اس کے ساتھ شرائط معاہدہ کے مطابق وقت ضرورت وہ اس علاقہ میں ریلوے لائن بچھانے، سلسلۂ تلغراف قائم کرنے یا چوکیاں بنانے کے لئے بھی جرگہ طلب کرتے ہوئے ان سے مشورہ کر سکتا تھا۔ اس معاہدہ کے بعد ان کے مواجب کی رقم میں تین ہزار روپے سالانہ کا اضافہ ہوا۔ اور اختتام تعمیر سڑک پر دو ہزار پانچصد روپے ان ملکوں کو بطور انعام دیئے گئے۔ جنہوں نے اس کام کے پایۂ تکمیل تک پہنچانے میں امداد کی تھی۔ اس طرح انگریز کا ایک دیرینہ خواب شرمندہ تعبیر ہوا۔ اسے اس علاقہ پر اقتدار حاصل ہو گیا۔ اور باشندوں کے عزائم میں وہ بلندی باقی نہ رہی جو ابتدا سے دکھائی دے رہی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ یورپ کی جنگ عظیم (۱۹۱۴-۱۸ء) کے دوران میں جب ہندوستان کی شمال مغربی سرحد پر قبائلیوں میں کچھ حرکت نظر آنے لگی تو یہ علاقہ اس سے کوئی اثر نہ لے سکا[1] اور پھر سویم جنگ افغانستان ۱۹۱۹ء میں جبکہ اکثر قبائلی انگریز کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے تھے۔ یہ لوگ انگریز کی چالبازیوں یا اپنی کمزوریوں کی وجہ سے کوئی حرکت نہ کر سکے۔ البتہ اس سے انہیں یہ فائدہ ضرور ہوا کہ ان کے مواجب کی رقم کو بڑھا کر دگنا کر دیا گیا تھا۔

---

[1] ۱۹۱۶-۱۷ء میں چند مفروروں نے جو علاقہ جاناخواڑ میں مقیم تھے۔ حسن خیل اور آشو خیل قبائل کی امداد سے انگریز کی مخالفت شروع کی تھی۔ لیکن کوئی قابل ذکر واقعہ ظہور پذیر نہ ہوا تھا۔

قبائلی علاقہ پر ہندوستانی تحریکات کا اثر

انگریز کو اپنے تمام دوران قیام ہندوستان میں کسی وقت بھی چین سے حکومت کرنے کا موقع نہ ملا۔ وہ کسی وقت بھی ایسی فضا نہ پیدا کر سکا کہ باشندگان وطن اسے اپنا محب یا خیرخواہ سمجھنے پر مجبور ہوتے۔ اس نے اس ملک پر حکم کی حیثیت سے نہیں بلکہ حکمران کی حیثیت سے حکومت کی۔ پھر عوام کے دلوں پر قبضہ کرنے کی بجائے اپنے جبر و استبداد سے ان کے اجسام پر قبضہ کرنے کی کوشش کرتا رہا۔ ملک کے ذرائع آمدنی انگریز قوم کی فلاح و بہبود کے لئے استعمال ہوئے۔ باشندگان وطن کے جذبات ہمیشہ کچلے جاتے رہے۔ اگر تعلیم و تجارت کی طرف تھوڑی بہت توجہ دی بھی گئی تو اپنے اغراض کے پیش نظر تعلیم سے ایسے افراد پیدا کرنے مقصود تھے جو حکومت کی مشینری میں فٹ ہو کر اس کے چلانے کا باعث بنیں اور پھر پرزے بھی اس حیثیت کے تھے کہ ان پر مشینری کے چلنے کا دار و مدار نہ تھا۔ میدان جنگ میں قربانی پیش کرنے کیلئے باشندگان وطن کو

کو لشکر میں بھرتی کیا گیا۔ لیکن شاید ہی کسی کو کوئی اعلیٰ عہدہ نصیب ہوا ہو۔ مختصر یہ کہ انگریز اپنے آپ کو حاکم اور باشندگان ہند کو محکوم سمجھتے تھے۔ دونوں میں بحیثیت راعی و رعایا کوئی تعاون یا اخلاص نہ تھا۔ یہی وجہ ہے کہ تاریخ کے ہر دور میں انگریزی کی مخالفت کی جاتی رہی حکومت خود اختیاری حاصل کرنے کو مجالس بنتی اور ٹوٹتی رہیں۔ پرامن۔ اعتدال پسند اور انتہا پسند ہر قسم کے افراد نے انگریزی اقتدار کے خلاف آواز بلند کی تا آنکہ ۱۸۸۵ء میں انڈین نیشنل کانگرس کی بنیاد پڑی تو ۱۹۰۶ء میں مسلم لیگ کا سنگ بنیاد رکھا گیا۔ یہ جماعتیں ایسی تھیں جو آئینی طریقہ پر حقوق طلب کر رہی تھیں لیکن ان کے پہلو بہ پہلو انتہا پسند افراد بھی تھے۔ جو ان مجالس کی آئین پسندی کو برداشت نہ کرتے ہوئے دوسرے طور طریقوں پر عمل پیرا ہے۔ دونوں کے طریق کار میں فرق تھا۔ لیکن منتہائے نظر کسی طرح مختلف نہ تھا۔ کیونکہ دونوں کے پیش نظر اپنے ملک کو انگریز کے چنگل سے آزاد کرانا تھا۔

ہندوستان میں جس قدر قومی تحریکات نے جنم لیا۔ قبائلی علاقے اس کا اثر قبول کرتے رہے۔ وہ سیاسی حیثیت سے اپنے آپ کو ان حرکات سے کتنا ہی لاتعلق ظاہر کرتے رہتے ہوں لیکن اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ وہ ہندوستان میں انگریز کی موجودگی کو اپنے لئے خطرناک اور سلطنت ہند کی کمزوری کو اپنے مفاد کے لئے بہتر سمجھتے تھے۔ چنانچہ جب انگریز کے جبر و استبداد سے ہندوستان میں ایسی حالت پیدا ہوئی کہ عوام تلملا اٹھے۔ مخالفت رولٹ ایکٹ کے نام سے "ہندو مسلم" متحدہ محاذ بنا کر انگریز کی مخالفت پر اتر آئے اور ہندوستانیوں کے سینے انگریزی گولیوں سے چھلنی ہونے لگے۔ تو ان واقعات سے قبائلی بے خبر نہ رہ سکتے تھے۔ اس کے متصل ہی

جب انگریز اپنے مواعید سے آنکھیں بند کرتے ہوئے "خلافت عثمانیہ" کے درپے آزار ہوا۔ حکومت ترکیہ کو ہمیشہ کے لئے ختم کر دینے کے منصوبے بنے تو ہندوستانی مسلمانوں نے اس ملک کو خیر باد کہہ دینے کا فیصلہ کیا۔ ہزاروں کی تعداد میں مسلمان افغانستان کی طرف ہجرت کرتے دکھائی دیئے۔ مسلمانوں میں "خلافت" کے نام سے ایک ہمہ گیر تحریک شروع ہوئی اور چونکہ اس تحریک پر مذہبی رنگ غالب تھا اس وجہ سے وہ جنگل کی آگ کی طرح ملک کے طول و عرض میں پھیل گئی اور پھر قبائلی علاقہ میں بھی اس کے اثرات نظر آنے لگے اور بچے بچے کی زبان پر خلافت اور اس کے مشہور ترین کردار مولانا محمد علی و مولانا شوکت علی کے نام رقص کرنے لگے۔ تحریک خلافت نے بین الملّی حیثیت حاصل کرتے ہوئے پورے قبائلی علاقہ کو اپنے زیر اثر لے لیا تھا۔

قبائلی علاقہ سے اس تحریک کی حمایت میں آوازیں سنی جانے لگیں اور گو قبائلی علاقہ کا پیدائشی سیاستدان پٹھان کھلم کھلا تحریکات میں شمولیت نہ کر سکتا تھا تاہم اس کی اخلاقی اور سیاسی امداد و اعانت تحریک کو حاصل رہی۔ انگریز کے لئے یہ نیا درد سر تھا۔ اس نے ہندوستانی قائدین پر نئے رنگ و روپ میں پابندیاں عائد کیں تاکہ وہ ان قبائل سے راہ و رسم قائم نہ رکھ سکیں۔ اور اسے ہر وقت یہی خطرہ دامنگیر رہا۔ جہاں ایک طرف ملک میں بد امنی کا دور چل رہا تھا وہاں دوسری طرف اگر قبائلی بھی اٹھ کھڑے ہوتے تو حالات کا بد سے بد ترین شکل اختیار کر لینا ناگزیر ہو جاتا۔

اسی دوران میں تقسیم مواجب کے سلسلہ میں قبائلیوں میں باہمی اختلاف پیدا ہوئے تو انگریز نے اطمینان کا سانس لیتے ہوئے انہیں اپنے حال پر چھوڑ دیا۔ اس کا خیال تھا کہ یہ قبائل آپس میں کٹ مریں گے تو انگریز کی توجہ صرف ہندوستانی

تحریکات کو کچلنے کے لئے وقف رہ جائے گی۔ لیکن اس کا اندازہ غلط نکلا۔ قبائل کے غیر مطمئن افراد نے آپس میں گتھم گتھا ہونے کی بجائے انگریز کو پریشان کرنا شروع کر دیا۔ اور اس وقت کہ پورے قبائلی علاقہ میں انگریز کے خلاف عدم اطمینان کی ہوا چل رہی تھی درہ کوہاٹ کے افریدی بھی اثر لئے بغیر رہ نہ سکے۔ چنانچہ انگریز سے کشمکش شروع ہوئی۔ ڈاکہ زنی ہونے لگی۔ انگریز کو پریشان کیا جانے لگا تو نومبر ۱۹۲۰ء میں دو انگریز خاص کوہاٹ چھاؤنی میں قتل کر دیئے گئے[1]۔ حالات کے پیش نظر انگریز نے فوجی اقدام تو نہ کیا لیکن قبائلیوں کو مورد الزام ٹھہرا کر ان سے نامہ و پیام کرتا رہا۔ ابھی اس سلسلہ میں کوئی آخری فیصلہ نہ ہو سکا تھا کہ ۱۹۲۱ء میں کوہاٹ پر ایک اور ڈاکہ پڑا۔ اب انگریز کا پیمانہ صبر لبریز ہونے لگا۔ جرگہ طلب ہوا تو ارکان جرگہ نے قومی حیثیت سے ذمہ داری لینے سے انکار کرتے ہوئے اسے چند افراد کا ذاتی فعل بتایا۔ کوئی نتیجہ برآمد نہ ہو سکا۔ انگریز بظاہر خاموش ہو کر موقع کی تلاش میں رہا اور کشمکش جاری رہی۔

عجب خان اور مس ایلس

یہ کشمکش جاری تھی کہ ۲۲ فروری ۱۹۲۳ء کو ایک رات کہ خوب آندھی چل رہی تھی کوہاٹ چھاؤنی پر ڈاکہ پڑا جس میں حکومت کی ۳۰۳ قسم کی ۴۶ بندوقیں چلی گئیں۔ قبائلیوں کی ایسی دراز دستیوں کو دیکھتے ہوئے انگریز زیادہ دیر تک خاموش نہ رہ سکتا تھا۔ اس نے اپنے وقار کو خطرہ میں دیکھتے ہوئے جرگہ

---

[1] کپٹن فوکس اور مسز فوکس۔

طلب کیا اور یہ کوشش ہونے لگی کہ مجرمین کا پتہ لگایا جائے۔ قبائلی عام طور جرگوں میں ایسے مسائل کے زیر بحث آنے پر اخفائے راز سے کام نہیں لیتے۔ بلکہ ہر قبیلہ اپنے افراد کی حرکات کا اعتراف کر لیتا ہے۔ لیکن اس موقع پر کوئی قبیلہ بھی ان ہنگامہ آرائیوں کی ذمہ داری لینے کو تیار نہ ہوا اور ہر قبیلہ نے پیدا شدہ واقعات کو افراد کا ذاتی فعل قرار دیا۔ ان دنوں قبیلہ بوستی خیل کے عجب خان اور اس کے بھائی شہزادہ خان کے تذکرے سنائی دے رہے تھے۔ انگریز نے بھی انہیں ہی موردِ الزام ٹھہراتے ہوئے سب کچھ انہی کے کھاتہ میں لکھنا شروع کر دیا اور کوشش کی جانے لگی کہ ہر ممکن طریقہ سے انہیں گرفتار کر لیا جائے۔

جب مقبوضہ علاقہ میں انہیں گرفتار نہ کیا جا سکا تو انگریز قبائلی علاقہ میں انہیں گرفتار کر لینے کی فکر کرنے لگا۔ رسم ملک کے مطابق ضروری تھا کہ انگریز اس سلسلہ میں اول جرگہ سے گفتگو کرتا اور اگر جرگہ جرائم کو تسلیم کر لیتا تو پھر یا تو جرگہ سے کہا جاتا کہ وہ ملزمین کو مناسب سزا دے یا پھر جرگہ کے تعاون سے کوئی کارروائی کی جاتی لیکن انگریز نے اس طریقہ کار پر عمل کرنا ضروری خیال نہ کیا۔ نشۂ اقتدار میں جرگہ سے گفتگو یا اعلان جنگ یا اظہار مخالفت کئے بغیر فوج کے ایک دستہ نے اچانک قبائلی علاقہ میں داخل ہو کر عجب خان کے مکان کو ایسے وقت محاصرہ میں[1] لے لیا جبکہ اتفاق سے وہاں کوئی مرد موجود نہ تھا اور ایسے اچانک حملہ کی صورت میں مستورات مقابلہ کرنے کے قابل نہ تھیں۔ گھر کی تلاشی لینے کے بعد جب عجب خان اور شہزادہ خان اس کے ہاتھ نہ لگے تو لشکر ناکام واپس لوٹ گیا۔

---

[1] انگریز نے غالباً ۱۸۹۲ء کے اس معاہدہ کی آڑ لی جس میں مرقوم تھا کہ بوقت ضرورت وہ قبائلی علاقہ میں تلاشی لے سکتا تھا۔

عجب خان جب حسب معمول واپس گھر پہنچا اور اسے انگریز کے حملے اور گھر کی تلاشی کا علم ہوا تو اس نے انگریز کی اس حرکت کو اپنی عزت اور قومی وقار پر حملہ تصور کیا۔ اور عجب خان پر ہی کیا منحصر ہے کوئی خوددار انسان بھی ایسی حرکت کو برداشت نہ کر سکتا تھا۔ وہ تھوڑی دیر تک تو اپنی مستورات کے سامنے بت بنا کھڑا رہا اور بالآخر یہ کہہ کر وہاں سے چل دیا کہ "بدلہ لئے بغیر واپس نہ آؤں گا۔"

عجب خان یوں سراسیمگی کی حالت میں رخصت ہو کر رات ایک دوست کے مکان پر جا ٹھہرا اور یہیں اس نے بدلہ لینے کا پروگرام مرتب کیا صبح ہوئی تو اس نے اپنے بھائی اور دو تین قابل اعتماد رفقاء کو ساتھ لئے کوہاٹ کی راہ لی۔ حالات گرد و پیش پر نظر ڈالی اور بالآخر میجر ایلیس نامی ایک انگریز افسر کو زندہ اٹھا لے جانے کی تیاری کرنے لگا[1]۔ بالآخر جب وقت معین پر یہ لوگ بنگلہ میں داخل ہوئے۔ تو اتفاق سے اس رات میجر ایلیس بنگلہ پر موجود نہ تھا۔ اس کی اہلیہ مسز ایلیس چارپائی پر خواب غفلت میں دنیا جہان سے بے خبر پڑی سو رہی تھی۔ شہزادہ نے بنگلہ کے روشندان سے داخل ہو کر اندر سے چٹخنی کھولی تاکہ عجب خان اندر داخل ہو سکے تو چٹخنی کی آواز سے چونک کر یا از خود لیڈی ایلیس نے کروٹ لی۔ شہزادہ کو شک ہوا کہ میجر ایلیس بیدار ہو چکا تھا۔ اس نے بھائی کی طرف دیکھا۔ عجب خان نے یہ نہ جانتے ہوئے کہ

[1] کہا جاتا ہے کہ عجب خان کو اپنی کامیابی کی اسکیم بنانے میں کئی دن صرف ہوئے کئی دن تک تو وہ بنگلہ کے گرد و نواح کا جائزہ لیتا رہا پھر سب سے بڑی مشکل یہ تھی کہ میجر ایلیس کے ہاں ایک کتا تھا جو رات کو کھلا چھوڑ دیا جاتا تھا۔ عجب خان نے کئی دن اس کتے کو گوشت وغیرہ کھلانا شروع کیا تاکہ وہ اس سے مانوس ہو جائے اور آخری رات اس پر بہ آسانی قابو پا لیا گیا۔

بستر پر میجر کی بجائے اس کی اہلیہ دراز تھی۔ اپنے گلے پر ہاتھ پھیرا۔ اشارہ پاتے ہی شہزادہ نے ہاتھ مارا تو چارپائی پر سونے والے کا سر تن سے جدا ہو چکا تھا۔ اور پھر یہ خیال کرتے ہوئے کہ دوسری چارپائی پر لیڈی ایلیس سو رہی تھی۔ اس کا منہ بند کرتے ہوئے اسے لے بھاگے[1]۔ حالانکہ وہ میجر ایلیس کی بیوی نہ تھی بلکہ لڑکی تھی۔

اس واقعہ کے بعد حکومت کی پوری مشینری محو حرکت دکھائی دینے لگی ایک لڑکی کے یوں قبائلیوں کے ہاتھ آجانے سے گویا پوری انگریز قوم کے لئے قید و بند میں پڑ جانے کا خطرہ درپیش تھا۔ نہتے اور بے بس قبائلیوں پر آئے دن آگ برسانے والا انگریز جو کبھی اس مظلوم آبادی کے مصائب کو نظر میں نہ لا سکا تھا اپنی ایک لڑکی کے گرفتار ہو جانے پر تلملا اٹھا۔ اس پر دن کا چین اور رات کی نیند حرام ہوئی۔ اسے اپنا وقار اور اپنی حکومت دونوں گرداب مصائب میں پھنسے دکھائی دینے لگے۔ قبائلی جرگے طلب ہوئے۔ سلسلۂ نامہ و پیام شروع ہوا۔ سیم و زر کی بارش ہونے لگی۔ پولیٹیکل دباؤ ڈالا گیا۔ قتل و خونریزی شروع کر دینے کی دھمکیاں دی جانے لگیں پھر خیبر ایجنسی سے ایک جرگہ نے عجب خان کو مشورہ دیا کہ وہ لڑکی کو واپس کر دے جس پر اس نے بتایا کہ لڑکی کو قید رکھنا اس کا مقصود نہ تھا۔ بلکہ وہ تو صرف یہ ظاہر

---

[1] عجب خان اور شہزادہ باری باری مس ایلس کو اٹھائے انگریزی علاقہ سے نکل جانے کی فکر میں دوڑے جا رہے تھے کچھ فاصلہ پر پہنچ کر اس نوجوان لڑکی کو گدھے پر سوار کر دیا گیا اور اس طرح وہ اسے تیراہ لے پہنچا۔ وہاں سے ہر ممکن آرام پہنچایا گیا۔ اسے عمدہ قسم کھانا دیا جاتا رہا عزت و احترام سے اپنے پاس مقیم رکھا اور اسے یہ اجازت بھی دیدی کہ اپنے متعلقین کو افریدی نامہ بردوں کے ذریعہ خیر خیریت لکھتی رہے۔ عجب خان بہت ہی نادم تھا کہ اس کے ہاتھ سے ناواقفیت میں ایک عورت قتل ہو چکی تھی۔

کرنا چاہتا تھا کہ اگر انگریز مردوں کی عدم موجودگی میں اس کے گھر کی تلاشی لے سکتا تھا تو عجب خان بھی اس سے سخت اقدام سے گھبرانے والا نہ تھا۔ بالآخر مقبوضہ علاقہ سے ایک وفد بھیجا گیا تاکہ لڑکی سے ملاقات کرے۔ اس وفد میں خان بہادر (حاجی) محمد قلی خان رسالدار مغل باز خان اور لیڈی ڈاکٹر مسز سٹار قابل ذکر ہیں۔ اس وفد نے لڑکی سے ملاقات کی۔ قبائلیوں سے گفتگو ہوئی۔ بالآخر عجب خان نے بلا کسی معاوضہ کے لڑکی کو عزت واحترام سے واپس کر دیا جس سے عجب خان اور اس کے ساتھیوں کے بلند اخلاق کا پتہ چلتا ہے[1]۔

مس ایلس کے اٹھالیجانے کے واقعہ نے بڑی اہمیت حاصل کی اور عجب خان ہوا بن گیا۔ ہر جگہ اس کے چرچے ہونے لگے اور ہر مجلس میں اس کا ذکر دکھائی دے رہا تھا انگریز کے خوف وہراس کا اندازہ اس سے لگائیے کہ پشاور میں چیف کمشنر (اب گورنر) کے بنگلہ کے اردگرد کئی بڑے بڑے خوبصورت درخت اس ڈر سے کاٹ دیئے گئے تھے کہ مبادا عجب خان یا اس کے ساتھی ان میں چھپ کر کسی اور جرم کا ارتکاب کر بیٹھیں۔ بلاشبہ انگریز چاہتا تو فوری طور فوجی اقدام کر سکتا تھا۔ قبائلیوں پر آگ برسانا اس کے لئے کوئی مشکل بات نہ تھی۔ اس کی گولیوں سے ہمیشہ قبائلیوں کے سینے چھلنی ہوتے رہے اور کبھی انسانیت اور ہمدردی اس کے دل و دماغ پر اثر انداز نہ ہو سکی۔ لیکن اس موقع پر وہ خاموش رہا تو خاموشی بلاوجہ نہ تھی۔ اسے اپنی ایک لڑکی کی جان خطرہ میں نظر آرہی تھی اسے ڈر تھا کہ جنگ شروع کر دینے کی صورت میں کہیں قبائلی

---

[1] وفد کے واپس لوٹ آنے کے بعد مسز سٹار نے ٹیلز آف تیراہ کے نام سے ایک کتاب بھی شائع کی تھی۔

اس لڑکی کو قتل نہ کر دیں۔ اس وجہ سے اس نے جنگ سے گریز کی۔ سیم و زر اور سیاسی اثر و رسوخ سے کام لینا چاہا۔ چنانچہ جب اس مقصد میں کامیابی ہوئی۔ مس ایلیس زندہ واپس لوٹ آئی تو انگریز نے تیور بدلنے شروع کئے۔ اب اسے بدلہ لینے کی فکر ہوئی تو اقدامات شروع کر دیئے گئے۔

ابتدا یوں ہوئی کہ ۲ر مئی کو بمقام شینہ وڑی (کوہاٹ) قومی جرگہ طلب کرتے ہوئے انگریز نے عجب خان کی حوالگی کا مطالبہ کیا اور یہ جانتے ہوئے بھی کہ ایسی حرکت خلاف رسم ملک تھی اور افریدی کبھی اس پر تیار نہ ہو سکتے تھے اپنے اس مطالبہ میں شدت پیدا کی اور اعلان جنگ تک کی دھمکی دے دی لیکن جرگہ نے یکزبان ہو کر اس غیر معقول مطالبہ کو مسترد کر دیا۔ ادھر عجب خان بھی حالات کا جائزہ لیتا رہا اور دیکھتے ہوئے کہ اب قبائلی علاقہ میں اس کی موجودگی خود اس کی اپنی زندگی اور اس کے قبیلہ کے لئے خطرہ سے خالی نہ تھی اور ہو سکتا تھا کہ انگریز کی چالبازیوں سے قبیلہ میں اختلافات پیدا ہو جائیں۔ اس نے از خود وطن سے نکل جانے کا فیصلہ کیا اس طرح انگریز کا یہ پہلا وار خالی گیا اور جنگ و خونریزی کا بہانہ اسے مل نہ سکا۔ انگریز عجب خان کے ساتھ اس کے بھائی شہزادہ۔ اور رفقاء میں سلطان میر۔ گل اکبر اور حیدر شاہ کو شریک جرم سمجھتا تھا۔

معاہدہ ۱۹۲۳ء

انگریز کو جب اپنی اس چال میں کامیابی نہ ہوئی تو اس نے پینترا بدلتے ہوئے یہ مطالبہ پیش کر دیا کہ عجب خان کو دوبارہ واپس آکر اپنے وطن میں آباد ہونے نہ دیا

جائے۔ اور قبائلی یہ اقرار کریں کہ وہ واپس نہ لوٹے گا اس کے ساتھ ہی مطالبہ تھا کہ انگریز درہ کوہاٹ میں تین چوکیاں تعمیر کرے گا۔ ان میں پچیس پچیس جوان جو خود ان قبائلیوں سے ہی بھرتی ہوں گے مقیم رکھے جائیں گے۔ ان کی تنخواہ خزانہ انگریز سے ادا کی جاتی رہے گی۔ افریدی جانتے تھے کہ انگریز حیلے بہانے تلاش کر رہا تھا۔ وہ مقابلہ کرنے کی طاقت نہ رکھتے تھے اور دیکھ رہے تھے کہ جنگ کی صورت میں کئی قبائل اس کی زد میں آ جائیں گے۔ بلا وجہ قبائلی علاقہ پر مصائب و آلام کے بادل برسنا شروع ہوں گے۔ اس وجہ سے انہوں نے شرائط صلح تسلیم کرتے ہوئے ۲۱ مئی ۱۹۲۳ء کو معاہدہ پر دستخط کر دیئے اس معاہدہ میں یہ شرائط درج کر دی گئی تھیں کہ درہ کوہاٹ میں صرف ان مفروروں کے رہنے کی اجازت ہو گی جن کی ملک ضمانت دے سکیں اور دوسرے مفروروں کو مقیم رہنے نہ دیا جائے گا۔ انگریز کو درہ میں سلسلہ تلغراف اور ٹیلیفون جاری کرنے کا حق بھی حاصل ہو گیا اور سڑک کو کشادہ کرنے پر بھی کوئی اعتراض نہ ہو گا۔ اس معاہدہ پر گلائے، جواکی، حسن خیل اور آشو خیل قبیلہ کے ملکوں نے دستخط کر دیئے۔ حالات نے افریدیوں کو مجبور کر دیا ورنہ اس سے چار سال قبل سلسلہ تلغراف کے لئے انگریز کی پیش کردہ پچاس ہزار روپے کی رقم کو وہ ٹھکرا چکے تھے۔

انگریز کا جوش انتقام ٹھنڈا نہ ہوا تو معاہدہ کے تھوڑے ہی عرصہ بعد اس نے یہ رٹ لگانا شروع کی کہ عجب خان واپس قبائلی علاقہ میں گھومتے دیکھا گیا تھا اس طرح گویا ایک نیا حیلہ تراشا گیا۔ افریدیوں نے ہر چند اس کی عدم موجودگی کا یقین دلانا چاہا لیکن انگریز کی تسلی نہ کرائی جا سکی۔ بالآخر دوسرے قبائل نے بیچ بچاؤ

کیا۔ خیبر ایجنسی کے افریدی آڑے آئے تو قبیلہ ملک دین خیل اور قمبر خیل نے ۱۴ اپریل ۱۹۲۴ء کو اور قبیلہ جواکی اور کالاخیل نے ۱۵ اپریل کو اس کی عدم موجودگی کا یقین دلا کر معاملہ کو ختم کیا۔[1]

---

[1] عجب خان قبائلی علاقہ سے نکل کر افغانستان جا پہنچا۔ اس کی شہرت اس سے قبل اس علاقہ میں پہنچ چکی تھی۔ اسے افغانستان میں عزت و احترام سے دیکھا گیا۔ انگریز خاموش نہ رہ سکتا تھا اس نے افغانستان سے اس کی واپسی کا مطالبہ کیا لیکن حکومت افغانستان اسے تسلیم نہ کر سکی۔ حالات بگڑنے لگے بالآخر سیاسی دباؤ کے زیر اثر حکومت افغانستان اس پر رضامند ہو گئی کہ وہ عجب خان اور اس کے بھائی شہزادہ اور ان کے ساتھیوں کو سرحد ہندوستان سے دور رکھے۔ چنانچہ حکومت نے افغانی ترکستان میں املاک دے کر انہیں وہیں مقیم کر دیا۔

★ جنرل محمد ایوب خان صدر پاکستان ★
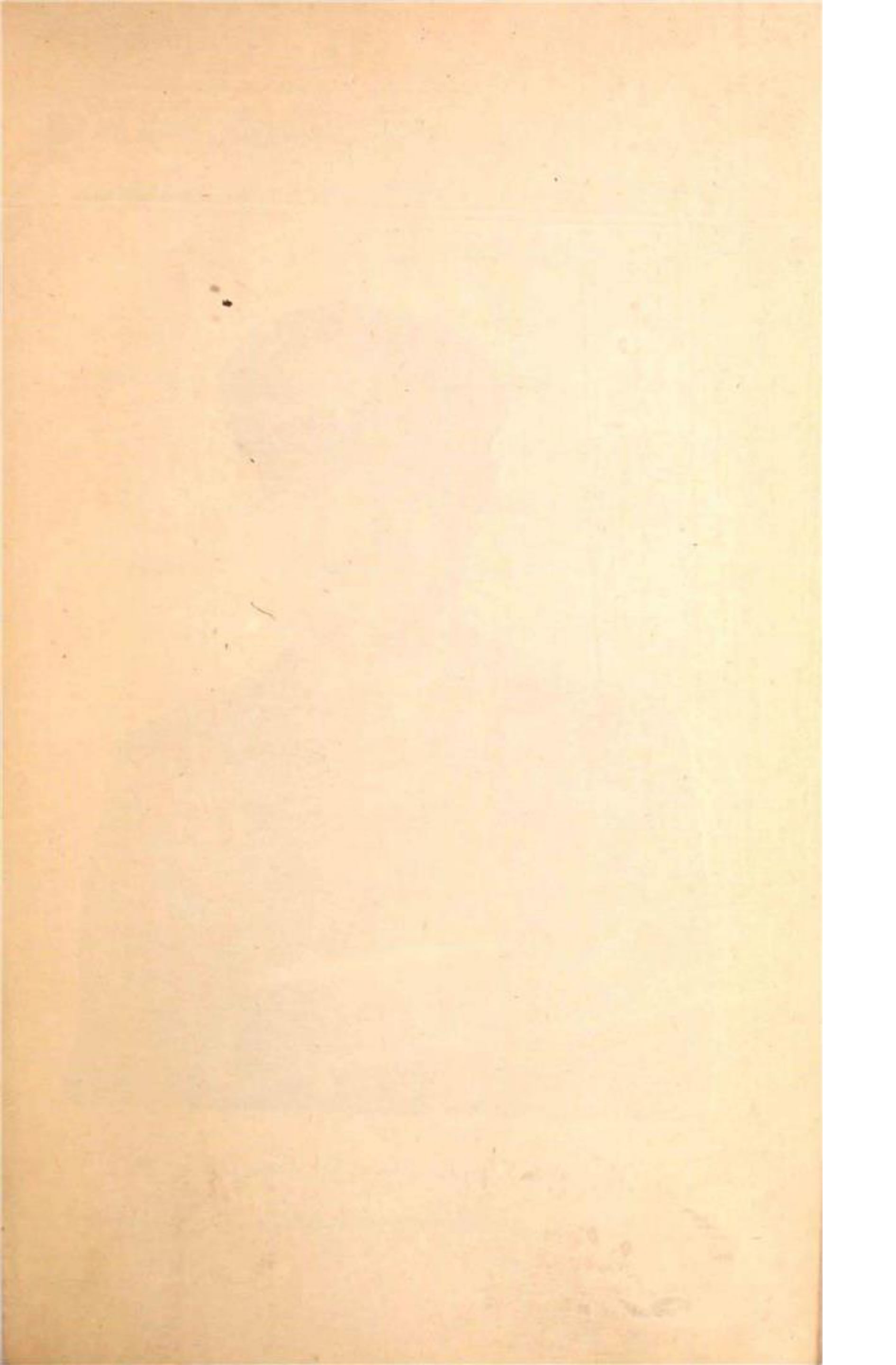
قبائلیوں کی خانہ جنگی

اور انگریز

معائدہ ۱۹۲۳ء کے بعد کوئی دو سال تک مذکورہ چوکیاں قائم نہ کی جاسکیں اس دوران میں قبائلی خود آپس میں برسر پیکار تھے اور اس باہمی کشمکش نے اس قدر طول کھینچا کہ درہ کوہاٹ کی سڑک بھی خطرہ میں دکھائی دینے لگی۔ بالآخر ۱۹۲۵ء میں حالات کے سدھر جانے پر انگریز نے ان چوکیوں کے تعمیر کرنے کا ارادہ ظاہر کیا تو قبیلہ حسن خیل اور آشو خیل نے خلاف توقع مخالفت شروع کر دی۔ انگریز نے ناکہ بندی کا اعلان کیا۔ ان قبائل کے افراد کی مقبوضہ علاقہ میں آمدورفت بند ہوئی۔ معاملہ قومی جرگہ کے سامنے زیر بحث آیا۔ تو فیصلہ ہوا کہ معائدہ پر چونکہ قبائل کے سردار باہمی مشورہ کے بعد دستخط کر چکے تھے۔ اس وجہ سے اب ان قبائل کی طرف سے مخالفت اپنے اقرار سے منحرف ہو جانے کے مترادف سمجھی جائے گی۔ اس طرح قبائلیوں کی ایک دیرینہ روایت کو ٹھیس لگتی تھی اور فیصلہ ہوا کہ قبیلہ حسن خیل اور آشو خیل

کو مخالفت کا حق نہیں پہنچتا۔ اس کے بعد ان دونوں قبیلوں نے مخالفت ترک کر دی
لیکن انفرادی حیثیت میں بعض افراد برسرپیکار رہے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ دو چوکیاں تو
تعمیر کر لی گئیں لیکن تیسری ماما میرہ کے مقام پر تعمیر نہ کی جا سکی۔

اب انگریز معمولی حرکات کو بھی زیر بحث لا کر قبائلیوں کو مرعوب کرنے لگا
قبائلی پہلے ہی آپس میں مصروف جنگ تھے۔ ۱۹۲۴ء اور ۱۹۲۶ء کے دوران
میں اسی خانہ جنگی کی وجہ سے کئی دفعہ درہ کوہاٹ میں آمد و رفت رکھنے والے خطرات
کا شکار نظر آنے لگے۔ انگریز کے لئے من مانی شرائط تسلیم کرا لینے کا اچھا موقع تھا۔
اس نے اس سے فائدہ اٹھایا۔ درہ کوہاٹ کے تحفظ کے نام سے جرگہ طلب کیا۔ جون
۱۹۲۶ء میں ایک جدید معاہدہ مرتب ہوا۔ اور قبائلیوں سے اقرار لے لیا گیا کہ آئندہ
درہ کوہاٹ کی سڑک پر ارتکاب جرم کرنے والوں کو انگریز کے حوالہ کر دیا جائے گا۔
اور اس میں ناکام رہنے کی صورت میں قبائلی سڑک پر ہر قتل کے جرم میں پانچہزار
اور زخم لگانے کے جرم میں ڈھائی ہزار روپے حکومت کو بطور جرمانہ ادا کریں گے۔

بموں کی تجارت

درہ کوہاٹ میں اسلحہ سازی کا کام ایک عرصہ دراز سے بڑی کامیابی کیساتھ چل رہا ہے عام طور چھوٹی قسم کی بندوقیں تیار کی جاتی ہیں دوسرے علاقوں سے بھی اسلحہ و بارود درآمد کیا جاتا ہے اس طرح درہ کوہاٹ کو اسلحہ و بارود کے کارخانے اور منڈی کی حیثیت حاصل ہو چکی ہے قبائلی علاقہ میں چونکہ ایکٹ اسلحہ قسم کا کوئی قانون موجود نہیں اسوجہ سے باشندے اپنی خواہش سے اپنی پسندیدہ تعداد میں یہاں سے اسلحہ و بارود لیکر جس طرف چاہیں جا سکتے ہیں جبکہ اس کے متصل مقبوضہ علاقہ میں اسلحہ رکھنے پر پابندیاں عائد ہیں اور بلا لائسنس اسلحہ رکھنا جرم ہے لیکن ان پابندیوں کے باوجود درہ سے غیر قانونی طریقہ پر مقبوضہ علاقہ میں اسلحہ درآمد کیا جاتا رہا اور جب تحریک مخالفت رولٹ ایکٹ ۱۹۱۹ء یا تحریک ہجرت و خلافت (۱۹۲۰ء) نے سرزمین ہند پر زور پکڑا اور باشندگان وطن آزادی وطن کا مطالبہ کرنے لگے تو بعض من چلے ایسے بھی پیدا ہوئے جو ان تحریکات کے اصول "عدم تشدد" پر یقین نہ رکھتے تھے انکا مطمح نظر "ہر ممکن طریقہ" تھا اور گو انکی تعداد بہت ہی محدود تھی تاہم انکے وجود اور انکی سرگرمیوں سے انگریز پریشان ہوا یہ لوگ اسلحہ کی تلاش میں رہے اور حتی المقدور اسلحہ و بارود مہیا کرنے کی سعی کرتے رہے اس سلسلہ میں کہا جاتا ہے کہ درہ کوہاٹ سے ان لوگوں نے دستی بم حاصل کرنے میں کامیابی حاصل کی اور دستی بم علاقہ آزاد سے نکل کر ان لوگوں تک پہنچنے لگے انگریز کیلئے یہ نیا درد سر پیدا ہوا اس تجارت کو روکنے کی کوششیں ہوئیں . بالآخر افریدیوں کا جرگہ طلب کیا گیا اراکین جرگہ پر نرمی و گرمی سے اثر ڈالا جانے لگا سیم و زر کی چھنکار بھی سنائی دی بالآخر افریدیوں کو رضامند کر لیا گیا کہ وہ بموں کی تجارت سے دست کش ہو جائیں چنانچہ جون ۱۹۲۶ء میں معاہدہ ہوا تو انگریز نے اطمینان کا سانس لیا اور یہ تجارت بند نظر آنے لگی

شیعہ سُنی مناقشات

قریب قریب تمام قبائلی علاقہ عقائد کے لحاظ سے سنی (حنفی) کہلاتا ہے اس میں جگہ جگہ دوسرے عقائد کے افراد بھی ملتے ہیں لیکن ان کی تعداد بہت ہی کم اور ناقابل ذکر ہے۔ صرف ایک علاقہ، کرم ایجنسی ایسا ہے کہ جہاں شیعہ عقائد رکھنے والے بحیثیت قبیلہ یا جماعت آباد ہیں تعلیم کی کمی اور انگریزی سیاست کے ہتھکنڈوں کی وجہ سے اس ایجنسی میں شیعہ سنی ہمیشہ ایک دوسرے کے مخالف صف آرا نظر آئے۔ جماعتی یا قبائلی حیثیت میں دونوں برسرپیکار بھی دکھائی دیئے۔ دونوں اختلافات کو نہ خود مٹا سکے نہ حکومت کی طرف سے کوئی کوشش ہوئی۔ اس سلسلہ میں ایک دفعہ ۱۹۲۷ء کے اواخر یا ۱۹۲۸ء کے اوائل میں شیعہ سنی ایک دوسرے کے خلاف صف آرا ہوئے تو انگریز نے ان کو کھلے بندوں چھوڑ دیا اور کوشش ہوئی کہ فریقین کسی دوسرے قبیلہ کی امداد و اعانت حاصل نہ کر سکیں۔ حالانکہ اگر انگریز چاہتا تو مداخلت کر سکتا تھا اور جنگ روکی جا سکتی تھی۔

اس باہمی جنگ کی چنگاریوں نے قبیلہ حسن خیل اور آشو خیل پر بھی جا اثر کیا ان قبائل کے افراد بھی شریک کارزار ہونے چلے۔ انگریز نے انہیں روکنے کی کوشش کی لیکن قبائلی سر تسلیم خم نہ کر سکے تو اختلافات نے سر اٹھایا۔ حالات بگڑنے لگے۔ نوبت

بہ ایں جارسید کہ افریدیوں نے ۱۹۲۳ء کے معاہدہ کو پس پشت ڈالتے ہوئے درہ کی چوکیوں کے لئے حفاظتی دستے مہیا کرنے سے انکار کردیا تو درہ کوہاٹ کا راستہ پھر خطرہ میں نظر آنے لگا۔ انگریز نے مواجب کی رقومات ادا کرنے سے انکار کیا۔ کشمکش شروع ہوئی۔ سلسلہ نامہ وپیام جاری رہا۔ قبائلی بالآخر نومبر ۱۹۲۹ء میں سمجھوتہ کرلینے پر آمادہ ہوئے۔ انگریز نے حسب معمول مواجب کی ادائیگی شروع کردی۔ لیکن ساتھ ہی موقع سے فائدہ اٹھا کر درہ میں چوکیاں تعمیر کرلیں۔ ان میں وہ چوکی جو قبیلہ آخوخیل کے علاقہ میں تھی خود اس قبیلہ کی نگرانی میں بنی البتہ کاہی اور جاناخوار کی چوکیاں حسن خیلوں کے انکار پر بیرونی اشخاص سے تعمیر کرائی گئی تھیں۔

جبر و استبداد کی انتہا

یوں تو انگریز نے صوبہ سرحد کی سرزمین پر قدم رکھنے کے ساتھ ہی طاقت و قوت کے استعمال کو ضروری خیال کیا تھا اس علاقہ کو کچلنے اور اس علاقہ کے باشندوں کو دائمی طور طوق غلامی پہنانے کے لئے ہر ممکن تشدد کا استعمال ہوا۔ مخصوص حالات کی آڑ لے کر قوانین جرائم سرحد اور غازی ایکٹ جیسے ظالمانہ حربے استعمال ہونے لگے فرزندان وطن کو چٹ منگنی اور پٹ بیاہ کے مصداق گرفتار ہونے کے بعد کسی وکیل و دلیل یا موقع صفائی دیئے بغیر گھنٹوں کے اندر تختہ دار پر لٹکایا جاتا رہا۔ کسی مجسٹریٹ کے اشارہ ابرو پران کے فصل اور ان کے مکان برباد کئے جا سکتے تھے۔ یہ سب کچھ برداشت کرتے ہوئے بھی پٹھان طوق غلامی کو زیب گلو کرنے پر آمادہ نہ کیا جا سکا۔ حتیٰ کہ سنہ ۱۹۳۰ء میں انگریز کا جبر و تشدد اپنی انتہا کو پہنچ گیا۔

نہتے پر امن عدم تشدد پر عمل پیرا قومی کارکنوں پر عرصہ حیات تنگ کر دیا گیا۔ اپریل سنہ ۱۹۳۰ء میں پشاور شہر کے بازار قصہ خوانی میں بوڑھے جوان اور بچوں کی لاشیں تڑپتی نظر آنے لگیں۔ اس کے بعد ظلم و استبداد کی اس آندھی نے پورے صوبہ سرحد کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ کہیں فصل برباد ہوئے تو کہیں مکانوں کو نذر آتش کیا گیا۔ ان حالات سے متاثر ہو کر انگریز کو پریشان کرنے کے لئے خیبر ایجنسی

سے افریدیوں کے چند دستے روانہ ہوئے[۱] ان میں بعض کا راستہ کنڈاؤ اور کالاخیل سے ہو کر گزرتا تھا۔ درہ کوہاٹ کے افریدیوں میں حسن خیل اور آشو خیل نے ملا نعمت گل کی مساعی سے کالاخیل اور جواکیوں کو اس پر آمادہ کر لیا کہ وہ ان دستوں کی نقل و حرکت کے سلسلہ میں انگریز تک کوئی اطلاع پہنچنے نہ دیں۔ چنانچہ ان دستوں کی سرگرمیوں سے جب حالات بگڑنے لگے تو انگریز کو تشویش پیدا ہوئی۔ اسے درہ کوہاٹ کے بند ہو جانے کا خطرہ دکھائی دینے لگا۔ تو درہ کوہاٹ کے باشندوں سے کشمکش شروع کر دی گئی اور درہ میں فوج متعین کرنے کے لئے حیلے بہانے تراشے جانے لگے۔ ۲۲ر جون ۱۹۳۰ء کو موضع اکبر پورہ (ضلع پشاور) اور ۲۲ر جولائی ۱۹۳۰ء کو موضع ضروبی (ضلع پشاور) پر جو ڈاکے پڑے تو ان کی ذمہ داری بھی ان قبائل کے سر تھوپ دی گئی اور ساتھ ہی الزام لگا کہ افریدیوں کے جو دستے پشاور تک پہنچنے میں کامیاب ہوئے تھے ان کی امداد و اعانت بھی انہی قبائل نے کی تھی اور ظاہر کیا کہ آئندہ ایسی حرکت ہوئی تو انگریز کا لشکر پیش قدمی پر مجبور ہو جائے گا۔[۲]

---

[۱] تفصیل کے لئے دیکھو تاریخ آزاد پٹھان جلد اول۔

[۲] صوبہ سرحد کی سرزمین پر انگریز نے ۱۹۳۰ء میں جس جبر و استبداد کا مظاہرہ کیا تھا اس کی مختصر سی داستان مولف کتاب ہذا اللہ بخش یوسفی اور میاں جعفر شاہ سابق وزیر حکومت پاکستان کی مساعی سے (FRONTIER TRAGEDY) سانحہ سرحد کے نام سے ہندوستان اور انگلستان میں بہ یکوقت شائع ہوئی تھی۔ جو بعد میں بحق سرکار ضبط کر لی گئی۔ اس میں اکبر پورہ کے ڈاکہ کو انگریز کا خود مرتب کردہ کارنامہ ظاہر کیا گیا تھا۔ بعد میں حسب تحریر کنندہ (یوسفی) کو کتاب

(بقیہ نوٹ صفحہ ۱۵۰ پر)

مختصر یہ کہ ۱۹۳۰ کی ہنگامہ آرائی کے بعد انگریز کو اپنی حکومت کی بقا خطرہ میں نظر آنے لگی تو اس کے استحکام کے سلسلہ میں ہی راؤنڈ ٹیبل کانفرنس کا اجلاس طلب کیا گیا ایکٹ ۱۹۳۵ء کا نفاذ عمل میں آیا۔ اور وہ اپنی ان اندرونی مصروفیات سے اتنی فرصت ہی نہ پاسکا کہ قبائلی علاقہ کی طرف متوجہ ہوتا۔ اس وجہ سے قبائلی علاقہ اور خصوصاً درہ کوہاٹ اس کی دست برد سے محفوظ رہا۔ کوئی جدید اقدام نہ ہوا۔ انگریز ملی و ملکی تحریکات سے عہدہ برآ ہو رہا تھا تو قبائلی مسلم لیگ کی تقویت کا باعث بن رہے تھے تا آنکہ ۱۴ اگست ۱۹۴۷ء کو پاکستان کا قیام عمل میں آیا۔ اس طرح انگریز کا سیاسی دور غلامی ختم ہوا تو قبائلیوں نے امن وچین کا سانس لینا شروع کیا اور ان کی آنکھیں اپنے ملک پر انگریزی جھنڈے کے بجائے پاکستان کے ہلالی پرچم کو دیکھ کر مسرت و شادمانی سے چمکنے لگیں۔

(بقیہ نوٹ صفحہ ۱۴۹) کی اشاعت کے سلسلہ میں عدالت سشن کے سپرد کیا گیا تو اس نے اپنے تحریری بیان میں اس کی یوں وضاحت کی تھی۔

(۱) ڈاکہ روز روشن میں ڈالا گیا۔ پھر ان ایام میں جبکہ قومی تحریک اپنے عروج پہ تھی۔

(۲) ڈاکو اس قسم کا لباس پہنے تھے جو عام طور ملیشیا فوج کے سپاہی پہنتے تھے۔

(۳) پولیس تھانہ کو بر وقت بذریعہ ٹیلیفون اطلاع دی گئی لیکن وہاں سے کوئی جواب نہ ملا۔

(۴) پولیس تھانہ بہت فاصلہ پہ نہ تھا

(۵) ڈاکوؤں نے صرف ہندوؤں کو لوٹا اور لوٹ کے مال کا کچھ حصہ وہیں مسلمانوں میں تقسیم کر دیا۔

(۶) ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ پولیس اور تھانیدار ایسے اہم معاملہ کے سلسلہ میں یوم وقوع کے دوسرے دن موقع واردات پر پہنچے تھے۔ (سشن کورٹ میں بیان)

پاکستان کا پس منظر
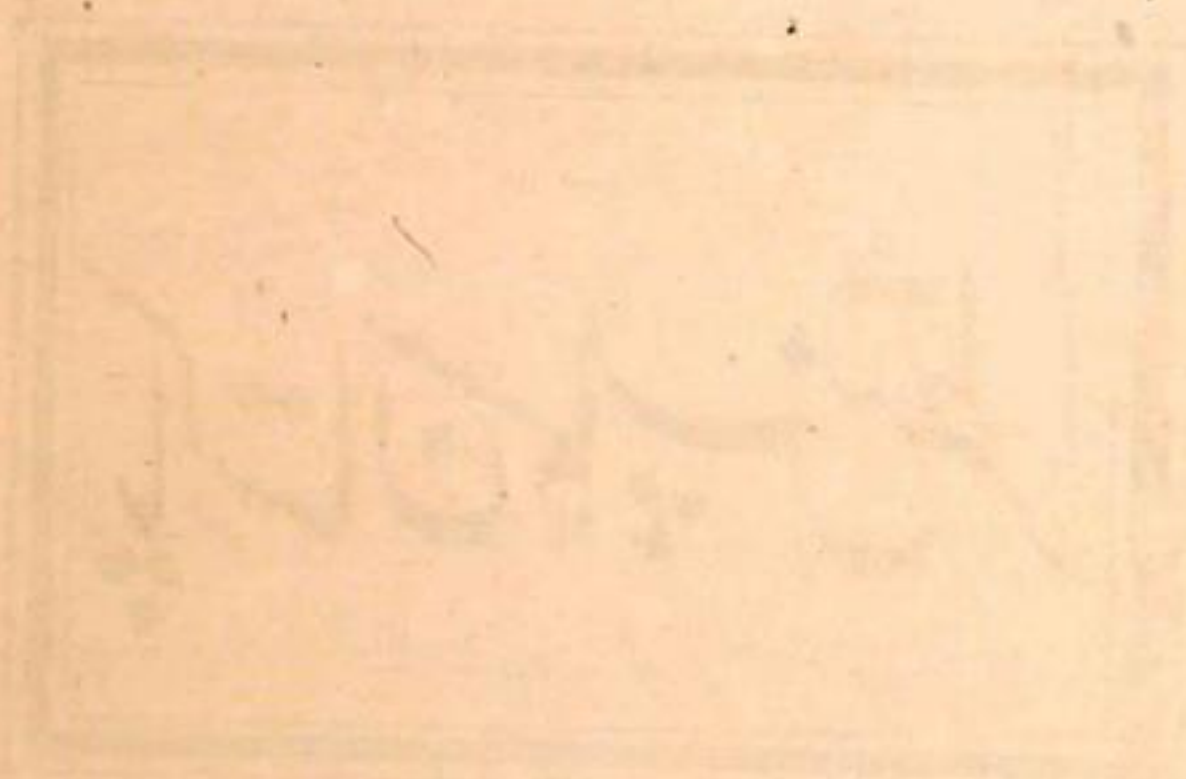
پاکستان کا پس منظر

مخصوص حالات کا ڈھونگ

سرزمین صوبہ سرحد پر بظاہر تو تعزیرات ہند اور ہندوستان میں جاری شدہ دوسرے قوانین کے تحت حکومت کی جا رہی تھی۔ لیکن ان کے ساتھ مخصوص حالات کی آڑ لیکر قوانین جرائم سرحد کے نام سے خاص قوانین کا نفاذ ہوا۔ انگریز کی گرفت مضبوط کرنے کیلئے ہر ممکن کوشش کی جاتی رہی۔ دیگر صوبہ جات ہند سے اس علاقہ کی حیثیت بالکل جداگانہ نظر آنے لگی اور جہاں دوسرے علاقوں میں خود مختارانہ حکومت کو طرف اقدام کیا جا رہا تھا۔ ان میں انتخابات بلدیہ، ڈسٹرکٹ بورڈ، مجالس قانون ساز وغیرہ کا قیام عمل میں آچکا تھا وہاں صوبہ سرحد کا علاقہ ان سے قطعاً محروم رہا[1]۔ اور یہ سب کچھ اس لئے ہوتا رہا کہ باشندگان صوبہ سرحد کو انگریز

[1] صوبہ سرحد میں پہلی بار ۱۹۲۹ء میں صرف بلدیہ پشاور میں طریقہ انتخاب رائج ہوا اور ۱۹۳۲ء میں کہیں اس صوبہ کو منٹو مارلے قسم کی کونسل عطا کی گئی جبکہ ہندوستان اس کے بعد کی چمسفورڈ اسکیم کو بھی آزمانے کے بعد مسترد کر چکا تھا۔

دنیا کی نظر میں معتوب کرتے ہوئے قبائلی علاقہ پر اپنا اثر ورسوخ قائم کر سکے اور پھر اس طرح حکومت برطانیہ کو وسعت دینے کے لئے دوسرے اغراض پورے کئے جاتے رہے ہیں۔

صوبہ سرحد کی سرزمین پر قدم رکھنے والے ہر انگریز نے جانباز ADVENTURER بننے کی کوشش کی۔ ہر ایک نے شہرت کے مندر میں اپنا بت نصب کرنا چاہا پولیٹیکل مسائل کے نام سے دولت جمع کرنے کی ٹھکی، سول نظام کیلئے بھی فوجی افسر مقرر ہوئے کرنل اور میجر حکمراں نظر آنے لگے[1]۔ اور ایسے افراد کہ جن کے متعلق ایک انگریز نے لکھا کہ

"جو شخص اتنا سست یا بیوقوف ہو کہ اپنی کمپنی کو ایڈجٹ تک نہ کر اسکے وہ اکثر کمینہ طرز پر خوشامدی بن کر اعلیٰ افسروں کی منت وسماجت کرتے ہوئے پولیٹیکل بن جاتا ہے[2]۔"

پولیٹیکل افسروں کی حیثیت سے پٹھانوں کی قسمت کے مالک بن بیٹھے۔ ان لوگوں میں "بے جا مداخلت کی عادت ہے۔ اس عادت کی وجہ سے لوگ انھیں پسند نہیں کرتے اور ان سے دور بھاگتے ہیں[3]۔"

---

[1] جب سنہ ۱۹۲۲ء میں حکومت کی مقرر کردہ "تحقیقاتی کمیٹی" (درے کمیٹی) نے صوبہ سرحد کا دورہ کیا تو قدم قدم پر انھیں ایسے پوسٹر اور اشتہار ملے جن پر لکھا تھا۔۔۔۔۔۔۔ "صوبہ سرحد پر کرنل اور میجر حکومت کر رہے ہیں۔"

[2] افغان وار از کائے

[3] پولیٹیکل سچوایشن ان سنٹرل ایشیا۔ از غنی

اس طرح صوبہ سرحد اور قبائلی علاقہ پر حکومت ہو رہی تھی، دونوں حصوں کی آبادی کو پاؤں تلے روندا جا رہا تھا انگریز اپنے اغراض کے پیش نظر اس علاقہ کی آبادی کو کچلتا رہا اور بقول مولانا محمد علی جوہر اس سرزمین کو صحیح معنوں میں "سرزمین بے آئین" بنا دیا گیا۔ جہاں انگریز کی مرضی اس کا قانون اور اس کی ہر حرکت لب حکومت حکم کے معنی رکھتی تھی۔

ان حالات میں بھی ملت افاغنہ حصول آزادی کیلئے تگ و دو کرتی رہی، قبائلی اگر اسلحہ و بارود لئے آگ سے کھیلتے رہے تو مقبوضہ علاقہ کے باشندوں نے آئینی طریقہ سے جنگ شروع کر رکھی تھی۔ اپنے اپنے طور طریقوں سے دونوں حصول مقصد کے لئے کوشاں رہے۔ ہندوستانی زعماء یہ سب کچھ دیکھ رہے تھے، ان کے کانوں تک پٹھانوں کے درد و کرب کی آوازیں پہنچ رہی تھی لیکن ان کیلئے صوبہ سرحد کی طرف دیکھنا قانونی جرم تھا۔ اس سرزمین بے آئین پر انھیں قدم رکھنے کی اجازت نہ تھی۔ کوئی قومی زعیم اس خطہ ارضی میں داخل نہ ہو سکتا تھا۔ حتیٰ کہ سنہ ۱۹۱۲ء میں جب آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس نے پشاور میں اجلاس منعقد کرنے کا ارادہ ظاہر کیا تو اسے اجازت نہ ملی۔ گویا تعلیمی سرگرمیاں بھی برداشت نہ کی جا سکیں۔ حالانکہ اس کانفرنس کے کرتا دھرتا وہی لوگ تھے جن پر حکومت کو اعتماد تھا اور جو کسی طرح باغی یا مخالفین حکومت میں شمار نہ ہو سکتے تھے۔ اور جب حکومت نے حالات سے مجبور ہو کر چند مسلم زعماء[1] کو پشاور تک جانے کی اجازت دے بھی دی تو انھیں وہاں زیادہ دیر تک ٹھہرنے

---

[1] پشاور میں مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کو اجلاس منعقد کرنے کی اجازت نہ ملی تو راولپنڈی میں اس کا انتظام کیا گیا اور اختتام اجلاس پر حکومت نے بہ مشکل تمام مولانا شوکت علی، مولانا محمد علی، مولانا ابوالکلام آزاد اور خواجہ کمال الدین کو پشاور تک کی اجازت دی، لیکن جلد ہی انھیں واپس لوٹ جانے کی ہدایت تھی۔

کی مہلت نہ مل سکی اور جلد ہی انھیں سرزمین بے آئین سے نکل جانے کا حکم مل گیا۔

سرزمین بے آئین

پھر جب ہندوستان میں قومی تحریکات نے زور پکڑا تو انگریز کے ہوش اڑنے لگے۔ اس نے صوبہ سرحد میں داخلہ پر مزید پابندیاں عائد کر دیں۔ سرزمین بے آئین کو ارض ممنوعہ قرار دیدیا گیا اور اس کا اندازہ اس واقعہ سے لگا لیجئے کہ "بی اماں"[1] جیسی ضعیف العمر کمزور اور مجاہدہ تک کو کہ جسے رضا کار ڈولی میں اٹھائے پھرتے تھے سرزمین بے آئین پر قدم رکھنے کی اجازت نہ ملی اور اس کے داخلہ سرحد کو انقلاب کے مترادف سمجھا جانے لگا۔ رفتہ رفتہ حالات بدلنے لگے۔ انگریز کو اپنی گرفت ڈھیلی کرنی پڑی تو زعماء ہند میں سے رئیس الاحرار مولانا محمد علی جوہر کو پہلی بار بدقت تمام ایک سیاسی کارکن کی حیثیت سے پشاور آنے کا موقع ملا[2]

---

[1] مولانا شوکت علی اور مولانا محمد علی (علی برادران) کی والدہ محترمہ "بی اماں" کے نام سے پکاری جاتی تھیں وہ اتنی ضعیف اور کمزور تھیں کہ چلنا مشکل تھا اس وجہ سے رضاکاران خلافت انھیں ڈولی میں لئے پھرتے تھے اور ان ایام میں کہ علی برادران قید و بند کی زندگی گزار رہے تھے "بی اماں" نے ہندوستان کے طول و عرض میں گھوم کر عوام کے جذبۂ آزادی کو ابھارنے کی سعی کی تھی۔

[2] مجلس خلافت نے مولانا محمد علی کے دورۂ پشاور کا اعلان کرنا تھا کہ حکومت کی مشینری حرکت میں آئی ڈپٹی کمشنر نے ارکان خلافت سے ملاقاتیں شروع کر دیں اور ظاہر کیا جانے لگا کہ ہندوستان میں چونکہ بانی اسلام (صلی اللہ علیہ وسلم) کی مخالفت میں ایک کتاب شائع ہونے پر ہندو مسلم تعلقات کشیدہ تھے اس وجہ سے مولانا موصوف کا دورہ اس وقت مناسب نہ تھا، کئی ہندو لیڈروں نے حکام کو ان کی آمد پر فساد ہو جانے کے خطرہ سے ڈرایا۔ لیکن اس کے ساتھ ایک دوسری مشکل یہ پیش آئی کہ پشاور شہر کی ایک مسلم انجمن نے نواب دوست محمد خان مرحوم کو غلط بیانی سے اپنا ہمنوا بنا کر حکومت کے ہاتھ مضبوط کرنے کی کوشش کی

(بقیہ صفحہ ۱۵۷ پر)

تو پشاور میں ان کا وہ شاندار استقبال ہوا کہ جس کی مثال سرحد کی تاریخ پیش کرنے سے قاصر رہی، پشاور پہنچکر مولانا موصوف سانپ کے منہ میں چھپکلی کے مصداق نظر آنے لگے انگریز اب انھیں نہ تو اظہار خیال سے روک سکتا تھا۔ نہ ہی ان کی حرکات پر پابندی لگائی جا سکتی تھی مولانا نے خیبر ایجنسی کو دیکھنا چاہا تو کوشش کی گئی کہ اس علاقہ کے باشندوں کو ان کی آمد کی اطلاع نہ مل سکے اور انھیں درہ خیبر دیکھنے کی اجازت ایسے تنگ وقت میں ملی کہ خود ان کے کئی رفقا کار بھی ساتھ نہ جا سکے لیکن درہ کوہاٹ سے گزرنے کے لیئے چونکہ کسی خاص اجازت کی ضرورت نہ تھی اس وجہ سے درہ کوہاٹ کے باشندوں نے محبت واخلاص سے مولانا موصوف کے شایان شان استقبال کیا پہلی دفعہ درہ کوہاٹ کی شرکت پر محرابیں بنائی گئیں، جگہ جگہ خورد و نوش کا انتظام کیا گیا۔ سرحدی رفقا کار اور خلافتی رضا کاروں کی ایک پوری جماعت رئیس الاحرار کے ہم رکاب تھی راستہ میں قدم قدم پر ان کی گاڑی روکی جاتی رہی اور وہ اتر کر مصافحہ و معانقہ میں مصروف لیکن چشم پرنم نظر آئے بیگم محمد علی برقعہ پہنے ساتھ تھیں جو پٹھان بچوں کو محبت و پیار سے چوم چوم کر دعائیں دیتی رہیں۔

(بقیہ صفحہ ۱۵۶ کا) ارکان خلافت کو علم ہوا تو انھوں نے نواب موصوف کو حقیقت حال سے آگاہ کیا نتیجہ یہ ہوا کہ جب حکومت اجازت دینے پر رضامند نظر نہ آئی اور ارکان خلافت نے صاف الفاظ میں کہدیا کہ مولانا محمد علی کو صوبہ سرحد میں داخلہ نہ ملنے کی صورت میں بھی پروگرام میں کوئی فرق نہ آئے گا۔ اور وہ ان کی تصویر کا جلوس نکالیں گے تو یہی نواب ارباب دوست محمد خان تھے جنھوں نے ارکان خلافت کی پشت پناہی کرتے ہوئے قیام امن کی ذمہ داری اپنے سر لیکر حکومت کو مجبور کر دیا کہ وہ خاموش ہو جائے۔ چنانچہ مولانا موصوف کو سرزمین بے آئین پر قدم رکھنے کی اجازت مل گئی۔

قومی تحریکات میں پٹھانوں کا حصہ

رئیس الاحرار کی آنکھوں کو پرنم دیکھ کر اکثر احباب نے اس نمی کو "مسرت کے آنسوؤں" سے تعبیر کیا۔

لیکن کوہاٹ پہنچکر انھوں نے فرمایا کہ مجھے ان پٹھانوں کے کپڑوں سے بو آرہی تھی اور ڈرتا ہوں کہ انگریز انھیں غلام بنائے بغیر چین نہ لے سکے گا اور بالآخر وہی کچھ ہوا کہ جس کا انھیں ڈر محسوس ہو رہا تھا۔ اور گو باشندگان درہ کوہاٹ بظاہر آزاد رہے لیکن سیاسی حیثیت میں مختلف طور طریقوں سے جکڑ کر انھیں بے بس بنا دیا گیا۔ بایں ہمہ جوں جوں ہندوستان میں قومی تحریکات نے زور پکڑا۔ یہ قبائل ان کی تقویت کا باعث بنے اور درّہ کوہاٹ کے افریدی بھی برابر کے شریک رہے۔ ہندوستان کی جنگ آزادی میں یہ پٹھان دوسرے صوبہ جات کے پہلو بہ پہلو مصروف جنگ ہو کر اکثر و بیشتر مواقع پر ان سے سبقت لے جاتے رہے چنانچہ جب ہمہ گیر تحریکات نے جنم لیا اور مخالفت رولٹ ایکٹ سے ان کی ابتدا ہوئی تو پٹھان نے دل کھول کر اس میں حصہ لیا۔ سینکڑوں قومی کارکنوں کو قید و بند میں ڈال دیا گیا۔ مارشل لاء سے عوام کو کچلا گیا۔ ہجرت کی تحریک شروع ہوئی تو ہندوستان کا کوئی صوبہ پٹھانوں کا مقابلہ نہ کر سکا۔ لاتعداد پٹھان مذہب کے نام پر اپنے وطن کو خیرباد کہہ گئے۔ خلافت کی تحریک میں پٹھانوں کی قربانیاں نمایاں حیثیت رکھتی ہیں تو تحریک عدم تعاون میں تو عملاً پٹھانوں نے وہ کچھ کر دکھایا کہ انگریز دم بخود تھا، اور شہزادہ ویلز کی آمد پر تحریک بائیکاٹ جس کامیاب طریقہ پر چلائی گئی تھی اس کی مثال شاید ہی کسی دوسری جگہ مل سکے۔

ہندو مسلم اتحاد

انگریز سالہا سال تک اس ملک پر حکومت کرنے کے باوجود عوام کے دلوں پر قبضہ نہ جما سکا۔ باشندگان وطن۔ اس کی روش، اس کی رعونت اور اس کے جبر و استبداد سے تنگ آچکے تھے۔ طوق غلامی اتار پھینکنے کی

ہر ممکن کوشش کی جارہی تھی۔ قومی تحریکات نے زور پکڑا، ہندو مسلم بھائی بھائی نظر آنے لگے اور سنہ ۱۹۱۹ء-۲۲ کا زمانہ تو قابل یادگار اتحاد کا زمانہ ثابت ہوا۔ لیکن ہندو کی تنگ نظری نے زیادہ دیر تک اس اتحاد کو قائم رہنے نہ دیا۔ ہندو مسلم جو مشترکہ حیثیت سے آزادی کے طلب گار تھے وہ ایک دوسرے کو پھر شکوک نگاہوں سے دیکھنے لگے ہندو کو یہ خیال کہ آزادی مل جانے پر وہ ملک میں اپنی خواہش کا "رام راج" قائم کرے، کیونکہ ہزار ہا سال کے بعد اسے کہیں آزادی کی جھلک دکھائی دی تھی ادھر مسلمان کو یہ خطرہ کہ اگر بلا کسی تصفیہ کے عنان سلطنت ہندو کے ہاتھ میں دیدی گئی تو مسلمانوں کی جداگانہ ہستی ہی ختم ہو کر رہ جائیگی نتیجہ یہ کہ علی برادران کہ جنھوں نے صحیح معنوں میں کانگریس کو نیشنل (قومی) کانگریس بنایا تھا۔ ہندو کی روش سے غیر مطمئن نظر آنے لگے۔ انھوں نے دوران تحریکات وطنی میں ہندو کی ہر حیثیت سے نازبرداری کی، یہاں تک کہ خود مسلمان، رفقا اور دوسرے برادران ملت ان کے خلاف انگلیاں اٹھانے لگے۔ باایں ہمہ وہ آخر دم تک ہندو مسلم اتحاد قائم رکھنے کی سعی کرتے رہے۔

نہرو رپورٹ

ہندو پر طاقت کا بھوت سوار ہو چکا تھا اور اب اسے اپنی قوم منظم نظر آرہی تھی اسے امید بندھ چلی تھی کہ ہندوستان میں رام راج کے قیام کا خواب شرمندۂ تعبیر ہو کر رہے گا وہ اپنی روش پہ قائم رہا اور جب اس نے دیکھا کہ انگریز گھٹنے ٹیکنے کو ہے تو ایک قومی آئین مرتب کرنے کا اعلان کر دیا، پنڈت موتی لال نہرو آنجہانی کی صدارت میں کمیٹی کا تقرر عمل میں آیا۔ بظاہر مختلف الخیال کارکنان قوم کو اس میں شمولیت اور صلاح و مشورہ کے لئے طلب کیا گیا تھا لیکن بات کسی کی بھی نہ سنی گئی یہ کمیٹی وہی کچھ کرتی رہی کہ جس کا وہ بزعم خویش پہلے سے فیصلہ کر چکی تھی، چنانچہ

"نہرو رپورٹ" کے نام سے یہ نام نہاد قومی آئین شائع ہوا، اس میں ملک کے لئے "درجہ مستعمرات" کا مطالبہ کیا گیا تھا۔

مسلمانوں کو عملاً اقلیت بنا کر بے بس کر دینے کی کوشش ہوئی اور جہاں وہ اکثریت میں تھے وہاں بھی ان پہ پابندیاں عائد ہوئیں، حتیٰ کہ پنجاب اور بنگال میں بھی مسلمان اپنی اکثریت قائم نہ رکھ سکے۔

خیال کیا جا سکتا ہے کہ مسلم زعماء اور علماء نے من حیث الجماعت اس آئین کی مخالفت کی ہو گی۔ لیکن حقیقت اس کے برعکس تھی ان میں کی اکثریت کانگریس کی چالبازیوں کا شکار ہو گئی۔ سیم و زر کی جھنکار، کرنسی نوٹوں کی کڑک اور دوسرے دلکش نظاروں نے ان کی آنکھیں خیرہ کر دیں۔ کانگریس نے ان کی طبیعتوں کا جائزہ لیتے ہوئے ان کی نبض دیکھ کر مناسب حال کارروائی سے انھیں ایسا مدہوش کر دیا کہ مستقبل میں ملت کی بربادی کا خیال بھی نہ کر سکے وہ کانگریس کے عزائم سمجھنے سے قاصر رہے اور آنکھیں بند کئے کانگریس کی ہمنوائی کرنے لگے۔ اوروں کو تو جانے دیجئے خود جمعیت علماء ہند کہ جو علماء کی مقدس و مسلم جماعت تھی اور جس سے ملت اسلامیہ صحیح معنوں میں اپنی توقعات وابستہ کر سکتی تھی، مذکورہ دام تزویر کا شکار ہو گئی۔ اور ملت اسلامیہ کو نہرو رپورٹ کے نام سے جو پیغام موت دیا جا رہا تھا اس پر دستخط کر دینے پر آمادہ کر لی گئی تھی۔

بلاشبہ ان زعماء اور علماء میں ایک بہت ہی قلیل تعداد ایسے افراد کی بھی تھی جو دیانتداری سے نہرو رپورٹ کو مسلمانوں کے مفاد کے لئے مفید سمجھتے تھے اور ایسے افراد بھی تھے کہ جو مستقبل میں ملت کی بربادی کو دیکھ سکتے تھے لیکن اول الذکر ملت کو مطمئن کرنے میں ناکام رہے تو موخر الذکر ہمت و جرات کے فقدان کی وجہ سے مخالفت نہ کر سکے۔

ان حالات میں مجلس خلافت ہی ایسی جماعت تھی جو خاموش نہ رہ سکی، لیکن مشکل یہ درپیش تھی کہ خود اس کے دست و بازو اس سے کٹ کر نہرو رپورٹ کی ہنگامہ آرائی میں مصروف تھے، جماعت کے قائد مولانا محمد علی بغرض علاج ملک سے باہر یورپ میں مقیم تھے باایں ہمہ مولانا شوکت علی کی قیادت میں مجلسِ خلافت میدان مخالفت میں اتر آئی اور پھر جلد ہی مولانا محمد علی بھی یورپ سے واپس لوٹ کر میدان کارزار میں دکھائی دینے لگے، ادھر اعتدال پسند عنصر بھی نہرو رپورٹ کی ہمنوائی نہ کر سکا۔

قائد اعظم نے جو اس وقت مسٹر محمد علی جناح تھے اس رپورٹ کو مسترد کر دیا۔ اس طرح اب دوسرے حلقوں سے بھی خلافت کی ہمنوائی ہونے لگی۔ کانگریس اپنی دولت، اپنے اثر و رسوخ، اور اپنے کثیر اشاعت اخبارات کی حمایت سے بھی جب ملک کو رضامند نہ کر سکی۔ تو ایک نیا ڈھونگ رچایا گیا اور دریائے راوی (لاہور) کے کنارے ۱۹۲۹ء میں کانگریس کا اجلاس منعقد کرتے ہوئے پنڈت جواہر لال نہرو کی قیادت میں "مکمل آزادی" کے مطالبہ کے ساتھ "نہرو رپورٹ" کے دریا برد کرنے کا اعلان کر دیا گیا۔ ملک میں "مکمل آزادی" کے نام سے نئی ہنگامہ آرائی شروع ہوئی۔ مسلمانوں کے جذبۂ آزادی کی تعریفیں ہونے لگیں اور اس جذبہ سے فائدہ اٹھا کر انھیں ایک بار پھر کانگریس کے ہمنوا بنانے کے لئے تگ و دو شروع ہوئی۔ لیکن مسلمان اس فریب کا شکار نہ ہو سکے۔

گول میز کانفرنس اور پٹھان

اسی دوران میں انگریز نے "گول میز کانفرنس کی تجویز پیش کرتے ہوئے اس میں شمولیت کے لئے ہندوستان کے مختلف الخیال زعماء کو دعوت نامے بھیجے۔ کسی کو جماعتی حیثیت سے دعوت نہ ملی تو کانگریس کو اپنا وقار خطرے میں دکھائی دینے لگا۔ اس وقت اسے ملک میں اپنی طاقت

اور حمایت نظر آرہی تھی۔ اپنے آپ کو بلا اشتراک ملک کی نمایندہ سمجھتی اور انگریز سے کسی دوسرے فرد یا جماعت کو حصول آزادی کے سلسلہ میں گفتگو کرنے کا حق دینے کو تیار نہ تھی۔ چنانچہ اس لئے گول میز کانفرنس میں شمولیت سے انکار کر دیا اور صاف کہہ دیا گیا کہ ملک کی نمایندگی کا حق صرف کانگریس کو تھا اور یہ کہ گاندھی جی ہندوستان کی تمام اقوام کے مشترکہ قائد و رہنما تھے۔[1]

پٹھانوں میں قومی تحریکات نے حقیقتاً جنگ طرابلس اور جنگ بلقان کے دوران میں فروغ پکڑا اور جب اول جنگ عظیم میں خلافت عثمانیہ پر مصائب و آلام کے بادل برسنا شروع ہوئے تو ملت افاغنہ پوری طرح تلملا اٹھی۔ اس بیداری نے انھیں اپنی پسماندگی کی طرف بھی متوجہ کیا تو انھوں نے صوبہ سرحد میں نفاذ اصلاحات کا مطالبہ پیش کر دیا اور باقی صوبجات

---

[1] سنہ ۱۹۲۹ء میں کہ جس وقت کانگریس کا سالانہ اجلاس زیر صدارت پنڈت جواہر لال نہرو منعقد ہو رہا تھا اور جہاں مکمل آزادی کی تجویز بھی منظور ہوئی تھی اس وقت مجلس خلافت کا سالانہ اجلاس بھی ہندوستان کے مشہور قومی کارکن نواب محمد اسمٰعیل خاں کی صدارت میں بمقام لاہور انعقاد پذیر ہوا تھا جہاں مجلس خلافت کی ایک سابقہ قرارداد "مکمل آزادی" کے اعادہ کو کھلے اجلاس میں پیش کرنے کا فخر مولف کتاب ہذا (اللہ بخش یوسفی) کو حاصل ہوا۔

کانگریس اپنے نمایندگی کے ڈھونگ رچانے میں ناکامیاب رہی تو پہلے اجلاس گول میز کانفرنس میں شمولیت سے انکار کرنے کے باوجود دوسری گول میز کانفرنس میں گاندھی جی نے شمولیت کر لی اور جب ہندوستانی ارکان کانفرنس شاہی دربار میں مدعو ہوئے تو گاندھی جی ہندوستان کے نمایندہ کی حیثیت سے نہیں بلکہ ایک عام رکن کی حیثیت سے اس وفد میں شامل ہوئے جس کی قیادت ہز ہائی نس سر آغا خاں کر رہے تھے۔

ہند کے ساتھ برابر کے حقوق طلب کئے جانے لگے۔ بد قسمتی سے پٹھانوں میں ایک ایسا طبقہ بھی موجود تھا جو اپنی دیرینہ سرداری اور روائتی فوقیت کو کسی قیمت پر قربان کرنے کو تیار نہ ہو سکا۔ لیکن حالات زمانہ بسرعت تمام بدل رہے تھے، طرفداران اصلاحات نے کہ جو عام طور "تعلیم یافتہ طبقہ کہلاتا تھا اپنی کوششیں جاری رکھیں اور جب مجلس خلافت کو سرزمین سرحد پر مقبولیت حاصل ہوئی تو اس نے نفاذ اصلاحات کی تحریک کو اس گرمجوشی سے چلایا کہ ہندوستان کی مرکزی مجلس آئین ساز تک میں ایک قرارداد بلا تقسیم آرا منظور کر لی گئی تھی[1]

اس فیصلہ کے باوجود انگریز مخالفین نفاذ اصلاحات کی حمایت کرتا رہا۔ اور "برے کمیٹی" کی رپورٹ میں انھیں اصلاحات کا اہل تسلیم کرتے ہوئے بھی اب

---

[1] مجلس آئین ساز میں سید مرتضیٰ بہادر صدر مجلس خلافت نے ۱۹۲۶ء میں نفاذ اصلاحات کا مطالبہ پیش کیا تو ہندو ارکان مجلس نے شدت سے اس کی مخالفت کی اور کانگریس سوراج پارٹی جو ملک کے لئے آزادی کی طلبگار تھی صوبہ سرحد کیلئے معمولی اصلاحات کو برداشت نہ کر سکی اور پنڈت موتی لال نہرو کی قیادت میں اجلاس سے "واک آوٹ" کر گئی۔ اس اجلاس کے دوران میں ہندوؤں نے صوبہ سرحد میں خفیہ انجمن نام کی ایک کتاب بزبان انگریزی شائع کی۔ اور نہایت رازداری سے اسے صرف ہندو اور انگریز ارکان مجلس میں تقسیم کیا گیا جس کا جواب "ہمارا حق ہمیں دیدو" کے نام سے انگریزی میں میاں جعفر شاہ اور مولف کتاب ہذا (یوسفی) نے مجلس کے آخری اجلاس میں جو کوئی دس بارہ دن بعد انعقاد پذیر ہو رہا تھا تقسیم کر دی تھی۔ یہ کتاب "سرخ پمفلٹ" کے نام سے موسوم ہوئی مسٹر (بعد میں قائد اعظم) محمد علی جناح اور دوسرے مسلم زعماء نے اپنی تقاریر میں اس کا حوالہ دیتے رہے۔

توسیع اصلاحات پر رضامند نہ تھا۔[۱] نتیجہ یہ ہوا کہ بدقسمتی سے "خوانین" اور "عوام" کے نام سے کش مکش نے زور پکڑا، تا آنکہ گول میز کانفرنس کا اعلان ہوگیا۔ اب نمایندگی کے سوال پر زور آزمائی ہونے لگی تو ایک طرف خوانین اور عوام میں رسہ کشی ہو رہی تھی تو دوسری طرف ہندو اپنے لئے جداگانہ نمایندگی کا طلبگار تھا۔ اس ہنگامہ آرائی میں نواب سر صاحبزادہ عبدالقیوم خان اپنے آپ کو نامزد کرانے میں کامیاب ہوگیا۔ مجلس خلافت کی حمایت تو انھیں حاصل تھی ہی۔ اکثر تعلیم یافتہ خوانین بھی انکی ہمنوائی کرنے لگے، اور ہندوؤں نے بھی کش مکش کے بعد ان کی قیادت یا نمایندگی کو تسلیم کر لیا۔ گول میز کانفرنس میں جس قابلیت سے انھوں نے پٹھانوں کے مسئلہ کو پیش کیا اس کا اندازہ اس تقریر پڑھنے سے ہوسکتا ہے کہ جو انھوں نے اس کانفرنس میں کی۔[۲] نتیجہ یہ ہوا کہ حکومت برطانیہ نے پٹھانوں کو مطمئن کرنے کے لئے فوری طور منٹو مارلے قسم کی کونسل کے نفاذ کا اعلان کر دیا۔ اور بعد میں دوسرے صوبوں کے برابر حقوق دیے گئے تھے۔

۱؎ حکومت نے سنہ ۱۹۲۲ء میں ایک تحقیقاتی کمیٹی مقرر کی تھی جو اپنے صدر کے نام کی نسبت سے "برے کمیٹی" پکاری جاتی ہے۔ اس کمیٹی کی رپورٹ میں پٹھانوں کو ہر حیثیت سے اصلاحات کا اہل قرار دیا گیا تھا۔

۲؎ یہ تقریر نواب موصوف نے راونڈ ٹیبل کانفرنس کی مقرر کردہ صوبہ سرحد کمیٹی میں کی تھی جو روئیداد کانفرنس کے سلسلہ میں شائع ہو چکی ہے۔

قیام پاکستان

آئین ۱۹۳۵ء کے نفاذ کے بعد بھی قبائلی علاقہ کے نظم ونسق میں کوئی قابل ذکر فرق نہ آیا اسے حسب سابق دوسرے علاقوں سے علیحدہ رکھا گیا۔ سیاسی حیثیت میں اسے ہندوستان اور افغانستان کے درمیان "درمیانی علاقہ" کی اہمیت دوقعت حاصل رہی۔ پھر تحریک مسلم لیگ نے زور پکڑا ۱۹۴۰ء میں بمقام لاہور "قیام پاکستان" کی تجویز منظور ہوئی۔ صوبہ سرحد میں سرخپوشوں کے ذریعہ کانگریس نے مسلم لیگ کے اثر ورسوخ کو کم کردینے کی ہر ممکن کوشش کی تاآنکہ ۳ جون ۱۹۴۷ء کو حکومت نے ہندوستان کو دو حصوں میں تقسیم کردینے کا اعلان کردیا۔ قبائیلیوں نے قیام پاکستان کی حمایت میں مقبوضہ علاقہ کی آبادی کا پورا ساتھ دیا، کانگریس نے استصواب رائے عامہ کا مطالبہ کیا۔ لیکن اس اقدام میں اسے ناکام رہنا پڑا اور اس استصواب کی روشنی میں صوبہ سرحد اور قبائلی علاقہ کو پاکستان میں شامل کردیا گیا[1]۔

قیام پاکستان کے بعد قبائلی علاقہ کو تاریخ میں پہلی بار ترقی کرنیکا موقع ملا سابقہ حکومت نے جس سختی سے ان قبائل کو کچل دیا تھا اسی نرمی سے حکومت پاکستان ان قبائل کی فلاح وبہبود کے لئے سرگرم ہے تمام سرحدی علاقہ میں ترقیاتی اسکیموں کا اجرا کیا۔ پٹھانوں کیلئے ترقی کرنے کے وسائل مہیا کئے۔ تعلیم کو فروغ دینے کے لئے مدارس کا جال بچھایا جارہا ہے۔ وسیع پیمانہ پر طلبا، کو وظائف دئے جارہے ہیں۔ دور دراز علاقوں تک بجلی کی روشنی پہنچائی جارہی ہے، آب رسانی اور

---

[1] دیکھو جلد اول "قیام پاکستان"

سامان خوراک کی فراوانی کا انتظام کیا جا رہا ہے اور ساتھ ہی قبائلی علاقہ کی معدنی دولت کے کھوج لگانے اور اس سے ملک و قوم کو مستفید کرنے کے لئے سعی و عمل ہو رہا ہے۔ توقع ہے کہ وہ علاقہ جو پوری ایک صدی تک انگریزوں کے ہاتھوں تباہ و برباد ہوتا رہا تھا اب اپنی ملی حکومت کے تحت دن دونی اور رات چوگنی ترقی کرتے ہوئے ترقی یافتہ اقوام کے ساتھ برابر کی حیثیت حاصل کرے گا خدا ان قبائل کو ہمت و استقلال اور حکومت پاکستان کو استحکام عطا فرمائے

آمین

★ سید فرید اللہ شاہ ★
پولیٹکل افسر درہ کوہاٹ (بطرف کوہاٹ)

اورکزئی
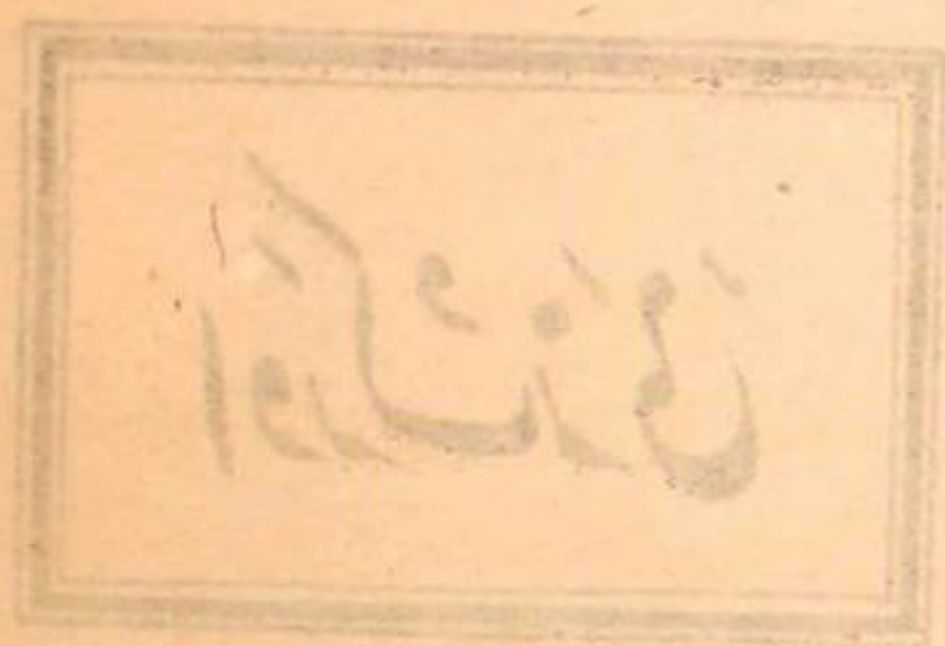
اورک زئی

اورک زئی یہ قبیلہ زیادہ تر علاقہ تیراہ اور سمانا میں آباد ہے اور کوہاٹ کے شمال مغرب کی طرف کی پہاڑیوں میں اس قبیلہ کے قیام نے اسے درہ کوہاٹ کی سیاست میں داخل کر دیا تھا۔ ان کی کثرت آبادی وادی مستورہ میں مقیم ہے۔ جو علاقہ تیراہ کا قریب نصف جنوبی حصہ گھیرے ہوئے ہے اور تیراہ کی خوبصورت ترین وادیوں میں شمار ہوتی ہے۔ اس کی انتہائی اونچائی سطح سمندر سے چھ ہزار فٹ بلند بیان کی جاتی ہے۔ اورک زئی اکثر ایام سرما اوادی میران زئی میں گزارتے ہیں۔ خانکے اور کرمانہ کی وادیوں میں کاشت کرتے اور موسم گرما کے شروع ہوتے ہی تیراہ کا رخ کرلیتے ہیں

اورک زئی شکل و شباہت و قدامت و جسامت، رسم و رواج ہر حیثیت سے پٹھان ہیں اور اپنے پٹھان ہونے پر فخر کرتے ہیں۔ البتہ بعض مورخین کا خیال ہے کہ ان کا سلسلہ نسب قیس عبدالرشید کی بجائے اس دور کے کسی اور رئیس سے

جاملتا ہے۔ بعض مورخین "ادرک" کے معنی گم شدہ لیتے ہوئے اسے مستقل حیثیت نہیں دیتے، ان کے خیال میں مختلف قبائل سے ٹوٹ ٹوٹ کر افراد نے ایک جدید قبیلہ کی بنیاد رکھی اور اس وجہ سے انھیں "ادرک زئی" یا گم شدہ قبیلہ کے نام سے پکارا جانے لگا، بہرحال پٹھانوں کی اکثریت جس شجرہ نسب پر متفق ہے اس پر نظر ڈالی جائے تو ادرک زئی قیس عبدالرشید کے لڑکے غرغشت کی اولاد سے دکھائی دیتے ہیں [1]۔

اس قبیلہ کی قسمت ابتدا ہی سے آفریدی قبائل سے وابستہ رہی ہے لوجب درہ خیبر کے باشندوں نے نادر شاہ کے لیے درہ خیبر کا راستہ بند کر دیا تھا تو اسی قبیلہ ادرک زئی کے ایک ملک (سردار) نے رہنمائی کرتے ہوئے اسے تیراہ اور چورہ کے راستہ سے پشاور پہنچنے کی رہنمائی کی تھی۔

انگریز کی آمد انگریز کے سرزمین صوبہ سرحد پر قدم رکھنے کے بعد ادرک زئی قبیلہ نے حکومت انگلیشیہ کے لئے کوئی ایسی قابل ذکر مشکل پیدا نہ کی کہ جس وجہ سے لشکر کشی کی نوبت آتی ۱۸۵۰ء میں اس قوم کے ایک ملک رحمت خاں کو درہ کوہاٹ کے تحفظ کے سلسلہ میں آٹھ ہزار روپے سالانہ دینے کا اقرار ہوا تھا، اور کچھ عرصہ تک یہ نظام قائم رہا، پھر اس قوم کو مزید زیر بار احسان کرنے کے لئے اس کی شاخ دولت زئی کی ذیلی شاخ بیزر دتی اور فیروز خیل سے ۳ دسمبر ۱۸۵۳ء اور قبیلہ محمد خیل کی شاخ سپاہ سے ۶ دسمبر ۱۸۵۳ء

---

[1] قبیلہ ادرک زئی کا سلسلہ نسب اسی باب کے آخر میں درج ہے۔

کو معاہدے کر لیئے۔ جن میں انھوں نے درہ کوہاٹ کی نگرانی میں دوسرے قبائل کے ساتھ شریک ہو جانے کا اقرار کیا، اس کے عوض اول الذکر قبائل کو دو ہزار روپے اور موخر الذ قبیلہ کو پانچ صد روپے سالانہ مواجب ملنے لگا پھر ۱۸۵۵ء میں قبیلہ دولت زئی کی شاخ اتمان خیل نے مذکورہ مواجب میں اپنا حق جتایا اور مطالبہ کیا کہ اسے بھی درہ کی حفاظت کے سلسلہ میں دوسرے قبائل کے ساتھ شریک کیا جائے، چنانچہ قبائل کی باہمی رضامندی سے مندرجۂ بالا دو ہزار روپے میں ان کا حصہ بھی مقرر کر دیا گیا۔

معاہدہ ۱۸۵۵ء

۱۸۵۱ء میں وادیٔ میران زئی پر۔ انگریز نے اپنا تسلط جمایا تو اورک زئی قبیلہ نے مخالفت کرتے ہوئے اسے پریشان کرنا شروع کیا لیکن اس وقت کوئی ایسا شدید اقدام نہ کیا کہ جس کی وجہ سے انگریز لشکر کشی پر مجبور ہوتا۔ ایک عرصہ گزرنے کے بعد ۱۸۵۵ء میں ان کی سرگرمیاں شدت اختیار کرنے لگیں۔ انگریز اس وقت تک وادی کرم اور میران زئی پر پوری طرح اثر و رسوخ قائم کرنے کی فکر میں تھا، اسے اس قبیلہ کی حرکات سے تشویش پیدا ہوئی، تو بگاڑ ظاہر ہونے لگا، تا آنکہ اس قبیلہ کی ایک شاخ رابعہ خیل نے انگریزی علاقہ میں بدامنی پیدا کرنی شروع کر دی۔ اب انگریز کے لئے راستہ کھلا تھا۔ اسے بہانہ مل گیا، چنانچہ ہنگو میں لشکر کے اجتماع کے لئے ۲۵ اگست ۱۸۵۵ء کو فوجی کیمپ کے آغاز کا اعلان کر دیا گیا۔

یکم ستمبر کو لشکر نے کوچ شروع کیا۔ تو اسے دو حصوں میں تقسیم کر دیا گیا۔

ایک کو موضع نا بیبن اور سنگر اور دوسرے حصہ کو کدڑسیا کے برباد کرنے کا حکم ملا۔ نا بیبن اور سنگر وادی میران شاہ میں ایسی جگہ واقع ہیں کہ جہاں تک لشکر۔ باآسانی نہ پہنچ سکتا تھا۔ راستہ کی آبادیوں سے مڈبھیڑ کے خطرے نے انگریز کو مجبور کیا کہ وہ پوری رازداری سے اقدام کرے تاکہ قبیلہ اورک زئی تک پہنچنے سے قبل راستہ کی کسی آبادی کو اس حملہ کا علم نہ ہو سکے۔ چنانچہ نہایت رازداری سے کام لیتے ہوئے یکم ستمبر کو رات گیارہ بجے روانگی شروع ہوئی اور راتوں رات چودہ میل سفر کرنے کے بعد اس لشکر نے اچانک اورک زئیوں پر حملہ کر دیا لیکن کامیابی نہ ہوئی۔ اورک زئیوں نے مقابلہ کیا اور اس دوران میں اپنے بال بچوں کو پیچھے پہاڑیوں میں پہنچا دیا اور مویشی چھوڑ کر خود بھی بھاگ نکلنے میں کامیاب رہے۔ انگریز نے حسب معمول انکی آبادیوں کو مسمار کیا۔ ان کے فصل کاٹ ڈالے اور مویشیوں پر قبضہ کر لیا۔

دوسری طرف کدڑسا پر ہلہ بولا لیکن وہاں کے باشندوں کو انگریز کے ارادہ کا قبل از وقت علم ہو چکا تھا، اس وجہ سے وہ انگریزی لشکر کے پہنچنے سے قبل ہی علاقہ خالی کر گئے، یہاں بھی ان کے مسکن برباد کئے گئے جو کچھ بچا کھچا مال تھا اس پر قبضہ کر لیا گیا، جب انگریز یہ سب کچھ کر چکا تو لشکر کو واپسی کا حکم ملا، خیال تھا کہ واپسی پر اس لشکر کو کوئی مشکل پیش نہ آئے گی لیکن معاملہ اس کے برعکس نکلا۔ اورک زئی ایک ایک انچ زمین پر مقابلہ کرتے نظر آئے۔ اس ہنگامہ آرائی و تباہی کے بعد سلسلہ

نامہ و پیام شروع ہوا تو ۱ ستمبر ۱۸۵۵ء کو معاہدہ صلح ہوا۔ جس میں اورک زئیوں نے مقبوضہ علاقہ میں ہنگامہ آرائی سے اجتناب کا اقرار کیا۔

معاہدہ ۱۸۵۶ء

اب انگریز کچھوے کی چال چلتے ہوئے ان قبائل پر اثر انداز ہونے لگا۔ مختلف حیلے بہانوں سے ان کے معاملات میں مداخلت کی جانے لگی۔ اور دوسرے ان قبائل سے کہ جن سے اس وقت تک کوئی معاہدہ نہ ہوا تھا۔ معاہدہ کرنے کے لئے فضا کو درست کیا جانے لگا چنانچہ معمولی معمولی واقعات کی آڑ لیکر ناکہ بندی کی دھمکیاں دی جانے لگیں، روپے کا لالچ دیا گیا اور مختصر یہ کہ انگریز کو اپنی چال کارگر دکھائی دینے لگی ....

تو ۲ اگست ۱۸۵۶ء کو اول قبیلہ اتمان خیل سے اور بعد میں قبیلہ علی شیر خیل سے معاہدے ہوئے۔ ان کے سابقہ تمام جرائم معاف کر دئے گئے۔ اور آئندہ مقبوضہ علاقہ میں ہنگامہ آرائی نہ کرنے کا اقرار لے لیا گیا۔

معاہدہ ۱۸۶۹ء

ان واقعات کے بعد قبیلہ اورک زئی کوئی دس سال تک خاموش دکھائی دیتا رہا۔ اس دوران میں کسی قسم کی ہنگامہ آرائی کا پتہ نہیں چلتا۔ عام طور پر معمولی اختلافات یا جھگڑوں کا فیصلہ بذریعہ گفتگو وغیرہ ہوتا رہا۔ لیکن ۱۸۶۶ء کے شروع میں ایک دفعہ پھر اختلافات نے سر اٹھایا تعلقات بگڑنے لگے تھے کہ ۱ مارچ ۱۸۶۸ء کو اورک زئیوں نے درہ لبن کی چوکی پر حملہ کر دیا اردگرد کی پہاڑیوں پر مورچے لگائے تو انگریز لشکر نے کوہاٹ سے موقع پر پہنچتے ہوئے ۱۱ مارچ کو مقابلہ شروع کر دیا۔ قبائلی جان توڑ لڑائی لڑے۔ انگریز کے تازہ دم سپاہی میدان جنگ میں ٹوٹتے جانے لگے

کوشش کی جانے لگی کہ بیزوتی قبائل کو گھیرے میں لے لیا جائے۔ اس کشمکش میں بیزوتیوں نے جم کر مقابلہ کرتے ہوئے انگریز کمانڈر کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ لشکر انھیں گھیرے میں نہ لے سکا تو واپسی کا بگل بجا۔ لیکن اورکزیوں کے حوصلے بلند تھے۔ انھوں نے تعاقب شروع کر دیا۔ انگریز لشکر نے یکے بعد دیگرے دو دفعہ پلٹ کر مقابلہ کرنا چاہا لیکن اسے کوئی کامیابی دکھائی نہ دی اور چونکہ رات بھر اس علاقہ میں مقیم رہنا دشوار تھا۔ اس لئے جوں توں کر کے اس لشکر نے واپس گھر پہنچنے کی کوشش کی

انگریز نے اپنا دیرینہ حربہ استعمال کرتے ہوئے ناکہ بندی کا اعلان کر دیا۔ اورکزیوں کے حوصلے تو بلند تھے ہی۔ وہ خاموش نہ رہے اور ۱۳ر فروری ۱۸۶۹ء کو انگریز چوکی پر حملہ کرتے ہوئے ایک سپاہی کو قتل کرنے کے بعد تین کو زخمی اٹھا لے گئے۔ ادھر انگریز درہ ایلین میں چوکیاں قائم کرنیکے بعد گارا اور وانا خلہ پر قبضہ جمانے کی فکر میں تھا۔ اس نے موقعہ سے فائدہ اٹھانا چاہا اور نہایت رازداری سے ۲۵ر فروری ۱۸۶۹ء کو نصف رات کے قریب لشکر کو اقدام کا حکم دے دیا لیکن اس رازداری کے باوجود گارا کے باشندوں کو انگریز لشکر کے آنے کی اطلاع مل گئی تو وہ راتوں رات مال مویشی لئے گارا سے کوچ کر گئے۔ انگریز کے پہنچنے پر اسے گارا میں ایک انسان بھی دکھائی نہ دیا تو اس نے حسب معمول اس گاؤں کو پیوند زمین کر دیا۔ چونکہ حملہ کا راز ظاہر ہو گیا تھا اس وجہ سے انگریز نے وانا خلہ پر حملہ کا ارادہ ترک کرتے ہوئے واپس کوہاٹ کی راہ لی۔ لیکن واپسی پر اس لشکر کو ایک ایک انچ زمین پر اورکزیوں سے مقابلہ کرنا پڑا

اور وہ کافی نقصان اٹھانے کے بعد کوہاٹ پہنچا۔

ان حالات میں خطرہ پیدا ہوا کہیں باقی قبائل بھی مشتعل ہو کر حملہ نہ کردیں چنانچہ اس حملہ کے خوف سے پشاور کی طرف دہ کوہاٹ کے ناکہ کے قریب انگریز لشکر کا اجتماع ہوا اور کوچ کرنے یا جنگ کا بگل بجانے کا منتظر ہو بیٹھا اس دوران میں بیزوتیوں (اورک زئی) سے نامہ و پیام شروع ہوا۔ تو ۴ اپریل ۱۸۶۹ء کو معاہدہ صلح ہو گیا، اور یہ کش مکش ختم ہوئی۔

معاہدہ ۱۸۷۰ء

اس فیصلہ کو ایک سال بھی گزرنے نہ پایا تھا کہ قبیلہ علی شیر زئی سے اختلافات شروع ہوئے۔ حالات بگڑتے گئے تو انھوں نے مقبوضہ علاقہ پر حملہ کر دیا لیکن معاملہ نے زیادہ طول نہ کھینچا۔ نامہ و پیام سے مسائل کا حل تلاش کر لیا گیا۔ اور ۲۵ مارچ ۱۸۷۰ء کو معاہدہ صلح ہو گیا۔ بیزوتی قبیلہ پر گیارہ سو روپے جرمانہ عائد کیا گیا جس کی ادائگی اور شرائط صلح پر عملدرآمد کرنے کی ذمہ داری ملک جنگی ساکن درسمند اور ملک محمود ساکن ترنگل نے اپنے ذمہ لی۔

معاہدہ ۱۸۷۲ء

رفتہ رفتہ مختلف طور طریقوں سے دوسرے قبائل کو بھی زیر اثر لایا جانے لگا۔ چنانچہ ۲ اپریل ۱۸۷۳ء کو برمحمد خیل عبدالعزیز خیل اور بنی خیل قبائل سے معاہدہ صلح ہوا۔ تو ۱ مئی ۱۸۷۲ء کو قبیلہ سپاہ نے بھی معاہدہ پر دستخط کر دئے۔ اس کے کوئی چار سال بعد ۱۸۷۶ء میں درہ کوہاٹ کے سلسلہ میں قبیلہ آتمان خیل سے پھر اختلافات شروع ہوئے۔ تو اس قبیلہ کے افراد نے ہنگامہ آرائی شروع کی لیکن ان

حالات میں کہ اردگرد کے دوسرے قبائل سے انگریز معاہدے کر چکا تھا۔ یہ ہنگامہ آرائی کچھ زیادہ کارگر ثابت نہ ہوئی۔ انگریز نے ناکہ بندی کا اعلان کیا تو جلد ہی اس قبیلہ نے پر امن رہنے کا اقرار کر لیا۔

اول جنگ افغانستان

اول جنگ افغانستان (۱۸۳۸ء۔ ۱۸۴۲ء) میں قبیلہ اورکزئی نے افغانستان کی حمایت میں انگریز کو پریشان کرنا چاہا۔ چنانچہ قبیلہ رابوخیل نے میران زئی کے علاقہ میں انگریز کیلئے مشکلات پیدا کر دیں۔ سلسلہ رسل و رسائل میں رکاوٹیں پیدا ہونے لگیں۔

۱۸۷۷ء کے ماہ نومبر اور دسمبر میں قبیلہ اخیل اور علی خیل نے ہنگامہ آرائی شروع کی اور ان کے کارناموں کو دیکھتے ہوئے دوسرے قبائل نے بھی ہاتھ پاؤں مارنے شروع کئے۔ چنانچہ ۱۸۷۸ء میں علی شیر زئی اور ماموزئی قبائل نے میران زئی کی سرحد پر شدید قسم حملہ کر دیا۔ علاقہ میں ہر طرف بدامنی ہی بدامنی دکھائی دینے لگی۔ فضا ہر طرف مکدر نظر آنے لگی۔ اس موقع پر انگریز کے لئے ہر قبیلہ کے مقابلہ کو لشکر روانہ کرنا آسان کام نہ تھا۔ نہ وہ بیک وقت کئی قبائل سے نبرد آزما ہو سکتا تھا، اس نے خیر اسی میں دیکھی کہ سلسلہ نامہ و پیام سے ہی معاملات کو سنبھال لے اور بڑی حد تک اس میں کامیابی بھی ہوئی۔ چنانچہ اخیل اور علی خیل سے جنوری ۱۸۷۹ء میں معاہدہ ہوا، لیکن دیرپا ثابت نہ ہو سکا، تو ان قبائل نے پھر ہنگامہ آرائی شروع کی جو ۱۸۸۰ء تک جاری رہی۔ ۱۸۸۰ء میں علی شیر زئی اور محمد زئی صلح پر آمادہ ہوئے لیکن پھر محمد زئی نے اپنی روش بدل لی تو انکی ناکہ بندی کر دی گئی۔ اس ناکہ بندی کا اس قبیلہ پر کچھ اثر نہ ہوا تو اس نے اخیل

اور علی خیل سے مل کر انگریز پر ایک کاری ضرب لگائی، انگریز کے کئی افراد قتل ہوئے اور یہ کشمکش دو سال سے زائد عرصہ تک یونہی چلتی رہی۔ بالآخر ۱۸۸۳ء میں صرف قبیلہ محمد زئی کو صلح پر آمادہ کیا جا سکا۔

میراں شاہ کی پہلی مہم

وقت یونہی گذرتا گیا۔ علاقہ میں امن قائم نہ ہو سکا طرفین ایک دوسرے کے سامنے جھکنے کو تیار نہ ہوئے، قبائلیوں کی سرگرمیوں میں بھی اور اضافہ ہونے لگا نتیجہ یہ ہوا کہ وادی خانکی میں رابعہ خیل محمد زئی مشتی اور شیخان نے ادھم مچا دیا۔

انگریز بھی اب مقابلہ کے لئے تیار تھا۔ جنوری ۱۸۹۱ء میں میراں شاہ کی طرف لشکر روانہ کرنے کا فیصلہ ہوا۔ بڑی تعداد میں لشکر کا اجتماع ہوا، تو اسے ۲۹ جنوری ۱۸۹۱ء کو میراں شاہ کی طرف روانگی کا حکم ملا۔ یہ اقدام میراں شاہ کی پہلی مہم کے نام سے پکارا جاتا ہے۔

قبائل نے اس انگریز لشکر کا ڈٹ کر مقابلہ کیا، لیکن اتنے جم غفیر اور کیل کانٹے سے لیس لشکر کو روکنا ان کے بس کی بات نہ تھی۔ انگریز اقدام کرتا رہا راستہ ہی کی ہر آبادی پیوند زمین کی جاتی رہی۔ فصل برباد ہوتے رہے اس علاقہ میں جو کچھ دکھائی دیا اسے لشکریوں نے دل کھول کر لوٹا، اس وقت تک خان ہنگو کو اس قوم کے سردار کی حیثیت سے دیکھا جاتا تھا، اس کے ذریعہ قبائل سے انگریز نامہ و پیام کرتا تھا اب اس پر بھی اعتماد باقی نہ رہا اس تمام ہنگامہ آرائی میں انگریز کو اس کا ہاتھ دکھائی دینے لگا، تو اس نے اس کانٹے کو درمیان سے نکال پھینکنا چاہا۔ چنانچہ خان ہنگو پر سازش

اور قبائل سے شرکت کا الزام لگا کر اسے مجرم گردانتے ہوئے ملک بدر کر دیا۔ وہ وطن سے بے وطن ہوا، محبت ملت کی سزا میں انگریز نے اس سے اقتدار چھین لیا۔ کش مکش جاری رہی، قبائلی آخر کب تک مقابلہ کر سکتے تھے، بالآخر صلح پر آمادہ ہو گئے تو انگریز نے سمانا کی پہاڑیوں میں اس جگہ سے جہاں سے وادی خانکی اور میران زئی جدا ہوتی ہیں فوجی چوکیاں قائم کرنے کا بنوک شمشیر اقرار کرا لیا۔

قبائلی کسی طرح ان چوکیوں کی تعمیر کو پسند نہ کر سکتے تھے لیکن بنوک شمشیر انھیں ان کی تعمیر کی اجازت دینا پڑی۔ انگریزی لشکر ان چوکیوں کی تعمیر کے لئے روانہ ہوا۔ تو یہ لوگ بالکل خاموش دکھائی دینے لگے اور ۲۸ مارچ ۱۸۹۱ء کو ان چوکیوں کی تعمیر شروع کر دی گئی، اس وقت ان قبائلیوں نے انتقام لینے کا جو طریقہ استعمال کیا اس کی روئیداد ایک انگریز یوں بیان کرتا ہے۔

> قبائلیوں کے تعلقات ہمارے آدمیوں سے بہت ہی خوشگوار دکھائی دے رہے تھے، اور وہ اپنے مویشیوں کو ہانکتے ہوئے اس طرح ہمارے لشکر میں لے آئے، جیسے انھیں چرانے کے لئے لے جا رہے ہیں، ہمارے آدمیوں سے گفتگو اور ہنسی مخول کرتے ہوئے۔ عین اس وقت جب کہ سپاہی بکھر کر ایک دوسرے سے جدا ہوئے ان پٹھانوں نے اچانک اپنے کپڑوں سے خنجر نکال کر دس یا اس سے زائد آدمیوں کو زخمی

یا قتل کر دیا، سکھ سپاہی سراسیمہ ہو گئے، اور اس ڈر سے بھی
فائرنہ کر سکے کہ کہیں ان کے ہاتھ سے وہ گائیں نہ ماری جائیں
جنھیں قبائلی پہلے ہی ان میں ہانک چکے تھے۔[1]

معاہدہ ۱۸۹۱ء

اپریل ۱۸۹۱ء میں ان قبائلیوں نے سماناکی چوکی میں مقیم فوجیوں کو موت کے گھاٹ اتارا، جس پر انگریزنے دوبارہ لشکر کشی کا فیصلہ کیا۔ اس طرح میراں زئی کی دوسری مہم کا آغاز ہوا۔ نتیجہ وہی ظلم وستم، بربادی و تباہی اور بالآخر بہ نوک شمشیر معاہدوں پر دستخط لئے گئے۔ لیکن اس دفعہ شرائط صلح میں تبدیلی، نرمی اور لالچ بھی شامل کر دی گئی۔ پہلے معاہدہ میں جو قبیلہ اخیل سے ۲۵ مئی ۱۸۹۱ء کو ہوا تھا، اس میں اقرار تھا کہ حفاظت راہ کے لئے تین برج تعمیر ہوں گے۔ جن کی لاگت چھ سو روپے حکومت ادا کریگی اس کے ساتھ نگرانی کرنے کو نو نفر مقرر ہوں گے، جنھیں حکومت ایک ہزار آٹھ روپے سالانہ ادا کرتی رہے گی۔ دوسرا معاہدہ رابعہ خیل سے یکم جون ۱۸۹۱ء کو ہوا اور مذکورہ شرائط پر بھی دستخط ہوئے۔ پھر ۱۸۹۲ء میں اتنی ہی رقم قبیلہ شیخی کے لئے اور چھ سو اڑتالیس روپے سالانہ شیخان کے لئے منظور ہوئے ۱۸۹۵ء میں اس رقم کو بڑھا کر ایک ہزار آٹھ روپے کر دیا گیا تھا، اور ماموخیل قبیلہ کو دو ہزار سولہ روپے سالانہ ملنے لگے۔ اور اس طرح میران زئی کی دوسری مہم کا خاتمہ ہوا۔

---

[1] کیپٹن ٹیول۔ میکٹ

جون ۱۸۹۳ء میں نبی خیل کے لئے دو ہزار سولہ روپے سالانہ ستورے خیل کے لیئے پانچصد روپے سالانہ مقرر ہوئے ۔ اس طرح سے حاصل شدہ امن تین چار سال تک قائم رہا ۔

قبائلیوں کی پہلی جنگ آزادی

۱۸۹۶ء میں درہ خیبر" کی فضا مکدر نظر آنے لگی اور افریدیوں سے انگریز کا اختلاف شروع ہوا اور کشمکش زور پکڑنے لگی تو اس کا اثر دوسرے قبائل پر بھی پڑا، اور یہ کچھ ایسی ہمہ گیر ہوا تھی کہ اس نے بالآخر پٹھانوں کی مشترکہ قومی جنگ کی شکل اختیار کر لی جس میں پہلی بار تمام پٹھان قبائل بیک وقت انگریز سے نبرد آزما دکھائی دیتے ہیں چنانچہ جب خیبر سے یہ افواہیں زیر بحث قبائل تک پہنچیں تو انھوں نے بھی اثر قبول کیا درہ کوہاٹ کے ارد گرد کا علاقہ اور وادی کرم وغیرہ میں ہلچل شروع ہوئی اور حالات نے ایسی صورت اختیار کر لی کہ انگریز کو سرحد پر مقیم لشکر کو کمک پہنچانی پڑی ۔ اس سلسلہ میں ۲۰ اگست ۱۸۹۷ء کو کوہاٹ سے وادی کرم اور سمانا میں مقیم انگریزی لشکر کی امداد کے لیے افواج روانہ ہوئی ۔ لیکن اس لشکر نے بظاہر ورت قبائلی علاقہ میں گشت شروع کر دی ۔ ان حالات میں اشتعال پیدا ہونا ناگزیر تھا، قبائلی سمجھے کہ انگریز مزید حقوق حاصل کرنے کے لیے سب کچھ کر رہا ہے ۔ نتیجہ یہ ہوا کہ قبائلیوں نے سر دھڑ کی بازی لگا دی اور قبیلہ اورک زئی نے ۲۶ اگست کو ایسا جم کر مقابلہ کیا کہ انگریز لشکر تاب مقابلہ نہ لا کر درہ الین کو خالی کر گیا ۔ ۲۷ اگست کو کوہاٹ سے مزید لشکر نے آکر ایک دفعہ پھر شدت سے حملہ کرتے ہوئے دوبارہ درہ الین پر قبضہ کیا ۔ لیکن اس لشکر کی واپسی پر راستے کے ہر پتھر کے پیچھے سے آگ برستی

دکھائی دی۔ ادھر یہ ہنگامہ آرائی ہو رہی تھی ادھر اس قبیلہ اورک زئی نے لاکھا اور سیفل درہ پر حملہ بول دیا۔ ہنگو سے انگریز لشکر کو اس طرف دوڑایا گیا بالآخر یہ دونوں لشکر واپس ہنگو اور کوہاٹ جا پہنچے۔

اورک زئیوں نے اپنی سرگرمیاں جاری رکھیں اور ۳۰ اگست کو پھر انگریز سے مڈبھیڑ لی لیکن اس وقت کوئی قابلِ ذکر مقابلہ نہ ہوا۔ البتہ جب یہ اطلاع ملی کہ اورک زئی وادی کرم پر حملہ کرنا چاہتے تھے تو انگریز نے بڑی جلدی میں اپنے لشکر مقیم سدہ کی امداد کے لیے تازہ دم لشکر روانہ کر دیا لیکن اس لشکر کے پہنچنے سے قبل ہی اورک زئی بالش خیل پر حملہ کر کے کافی نقصان پہنچا چکے تھے۔ اور پھر اچانک انھوں نے ۱۶/۱۷ ستمبر کی درمیانی شب کو سدہ پر حملہ کرتے ہوئے انگریزوں کو بے خبری میں جالیا اور کافی نقصان پہنچایا۔

ادھر یہ کشمکش جاری تھی کہ ادھر سمانہ کے علاقہ میں بدامنی شروع ہوئی۔ ۱۰ ستمبر کو انگریز نے لشکر روانہ کر دیا تاکہ ان قبائلیوں کو سر اٹھانے سے قبل ہی دبایا جا سکے۔ لیکن پانی کی قلت نے انگریز لشکر کو کسی ایک طرف رخ کرنے نہ دیا۔ تو وہ قبائلیوں کے حملہ کے انتظار میں ہو بیٹھا۔ قبائلیوں کو علم ہوا تو اس لشکر کو اپنی جگہ چھوڑ انھوں نے ۱۲ ستمبر کو سراگڑھی میں اس شدت سے حملہ کیا کہ اس جگہ کا ایک سپاہی بھی داستان غم سنانے کو باقی نہ بچا۔ ۱۴ ستمبر کو تقریباً دو صد سپاہیوں نے گلستان کی فوجی چوکی پر قبضہ کر لیا۔ ان حالات میں وادی میران زئی کی طرف سے تازہ دم انگریز لشکر نے اقدام شروع کیا تو ۱۵ ستمبر کو قبائلیوں نے سراگڑھی خالی کر دی اور گلستان کو چھوڑ کر چلتے بنے۔

اکتوبر ۱۸۹۷ء میں انگریز نے محاربہ تیراہ[1] کا آغاز کرتے ہوئے قبائیلیوں کو ہمیشہ کے لئے کچل دینے کا فیصلہ کیا، اس جنگ میں قریب قریب تمام قبائیلیوں نے حصہ لیا اس وجہ سے اسے آزاد قبائل کی پہلی جنگ آزادی کہا جاتا ہے۔ بالآخر ۲۸ دسمبر کو اورک زئیوں کو صلح کر لینے پر آمادہ کر لیا گیا۔ شرائط صلح طے پا گئیں لیکن رسمی کوئی معاہدہ نہ ہوا۔ ان قبائیلیوں کے مواجب بحق سرکار اول تو ضبط کر لینے کا اعلان ہوا لیکن اپریل ۱۸۹۸ء میں ان کی تمام واجب الادا رقومات ادا کر دی گئیں

پانی خرید اگیا

۲۲ جون ۱۸۹۹ء میں حکومت نے قبیلہ رابوخیل کے دو افراد سیدن شاہ اور سید نظیر سے ان کے قبائلی علاقہ میں دو چشموں کے نصف حصہ پانی کو چار سو روپے کے عوض میں خریدا، تاکہ فورٹ لاک ہارٹ میں مقیم سپاہیوں کو پانی میسر آسکے اور حق ملکیت بیچ دینے کے بعد قبائلی اس پر اپنا حق قائم نہ کر سکیں۔

نئی چال

قتل و خونریزی کے بعد قبائیلیوں کو اپنے علاقہ میں چوکیاں بنا لینے اور ان میں انگریزی طرف سے اپنے ہی ہم قوم افراد کو مقرر کرنے کا اقرار تو لے لیا گیا۔ یہ ایک وقتی معاہدہ تھا۔ انگریز ان چوکیوں میں قبائلی افراد کو مقیم رکھ کر بھی اطمینان کا سانس نہ لے سکا تو اس نے بہتیرا ابد لا اور یوں تجویز پیش ہوئی کہ قبائلی ان چوکیوں میں بارڈر ملٹری پولیس[2] کو مقیم ہو جانے کی اجازت دیں

---

[1] اسکی مفصل روئیداد جلد اول میں ملے گی۔

[2] تفصیل کیلئے دیکھو اس کتاب کی جلد اول۔
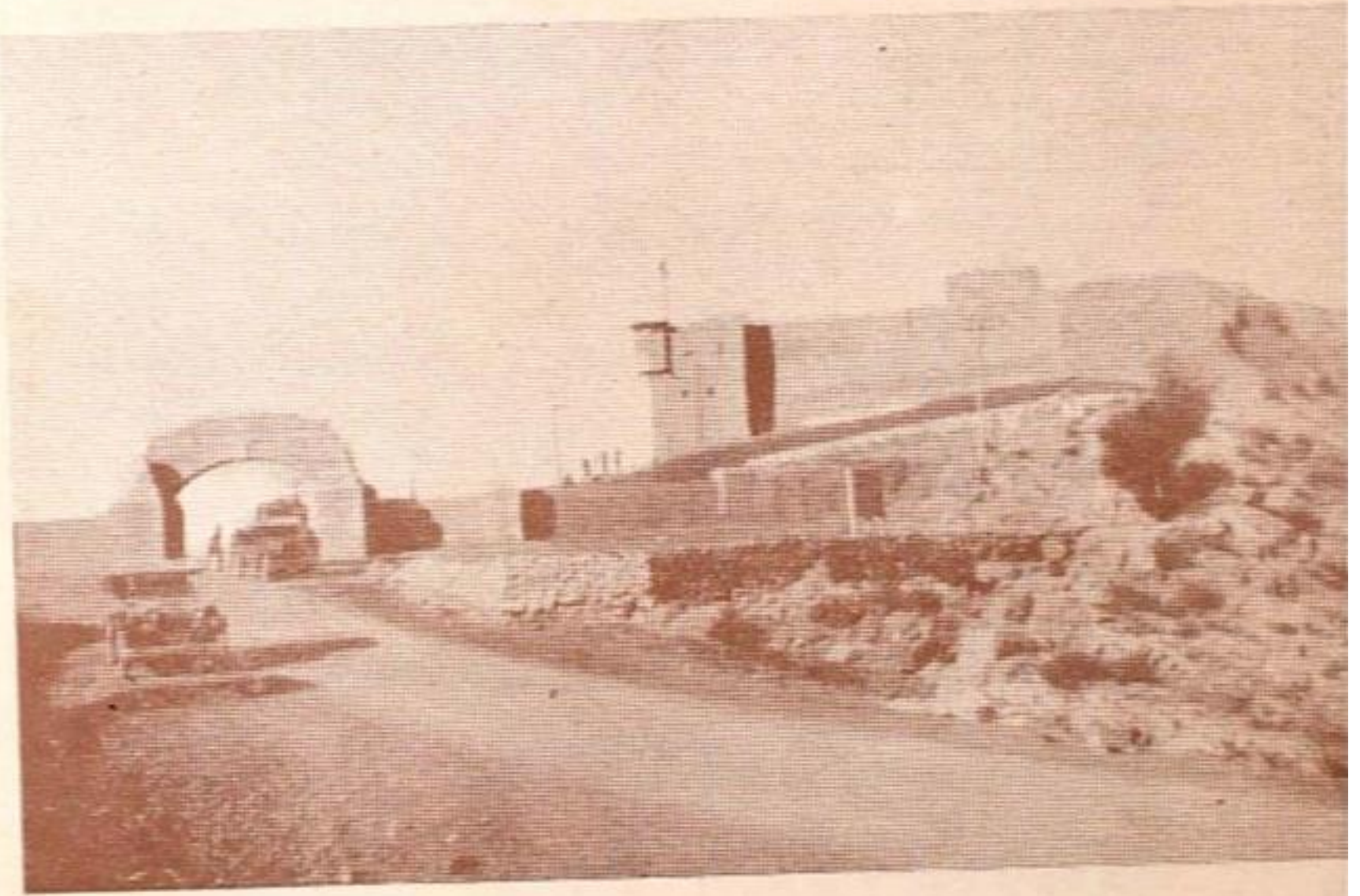
درہ کوہاٹ کی آخری چوکی (غاخی)
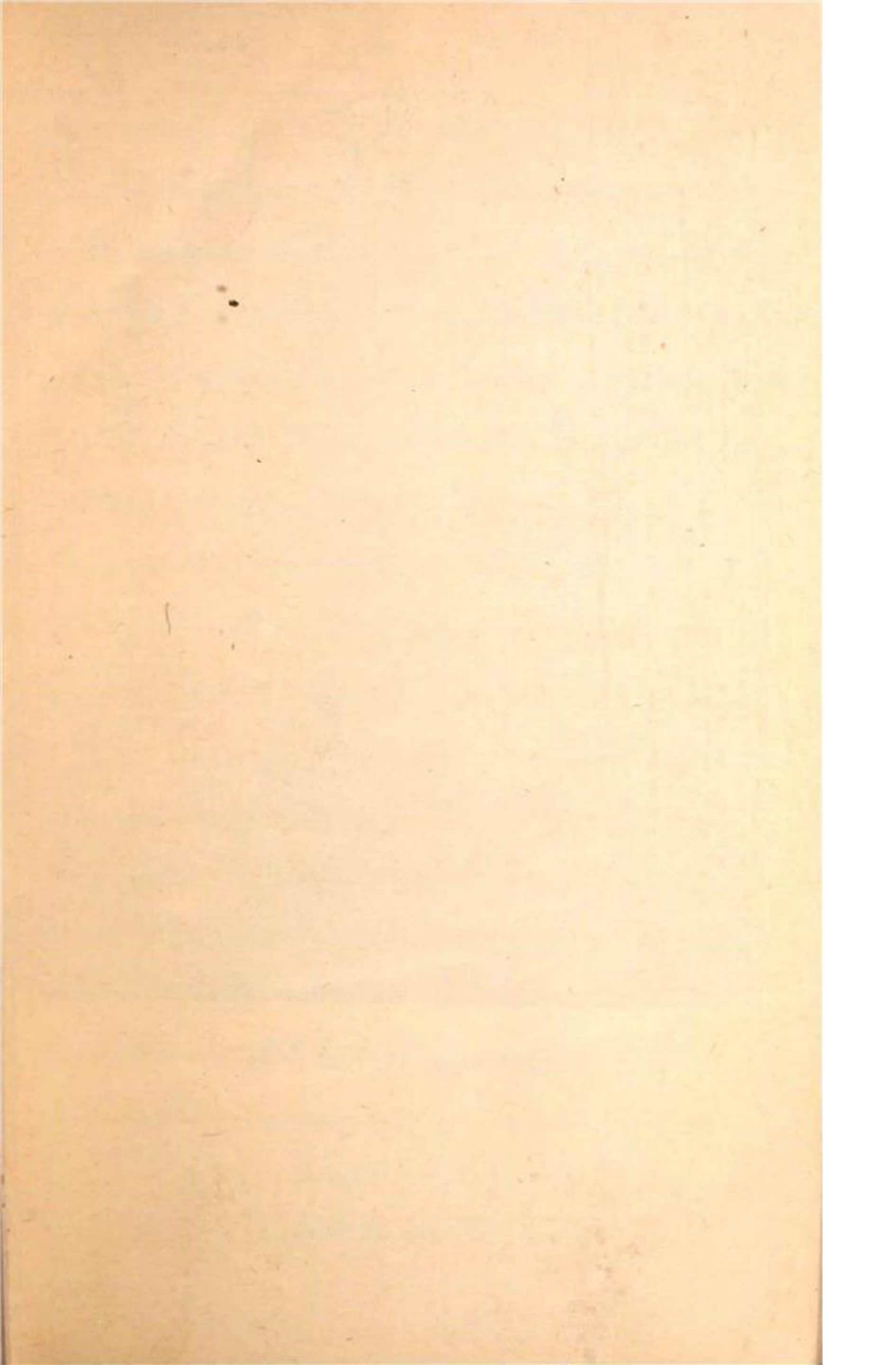
اور ان چوکیوں میں مقیم قبائلیوں کو جو تنخواہ یا الاؤنس ملتا تھا وہ بھی بدستور ملتا رہے۔ قبائلی کیا کر سکتے تھے مجبوراً اس فیصلہ پر رضامند ہو گئے۔ تو انھیں اس تعداد کیلئے جو اس وقت چوکیوں میں مقیم تھی فی کس پانچ روپے ماہوار ادا کرنے کا فیصلہ ہوا۔ یہ رقم اس رقم کے علاوہ تھی جو مواجب کے نام سے ادا کی جاری تھی اس کے بعد آہستہ آہستہ انگریز نے ان قبائلیوں کو خوش کرنے کی پالیسی اختیار کی۔ تاآنکہ ۳۰ جون اور ۱۱ اگست ۱۹۰۳ء کو بالترتیب علی خیل اور ملا خیل قبائل سے تعلقات پیدا کرتے ہوئے دونوں کیلئے جدا جدا ایک ہزار آٹھ روپے سالانہ مواجب مقرر کر دیا۔

جدید الزامات اس کے بعد ایک عرصہ تک کوئی قابلِ ذکر واقعہ ظہور پذیر نہ ہوا معمولی کشمکش اور جھڑپوں کا فیصلہ باہمی گفت وشنید سے ہوتا رہا۔ پھر ۱۹۱۲ء ۱۹۱۳ء اور ۱۹۱۴ء میں اس قبیلہ کے خلاف ڈاکہ زنی کے الزامات لگائے گئے۔ لیکن یہ معاملات بھی آپس کی بات چیت سے طے ہو گئے۔ اور کوئی ناخوشگوار صورتِ حال پیدا نہ ہوئی۔ پھر جب سوئم جنگ افغانستان کڑتی جانے لگی اور جرنیل نادر خان نے قلعہ ٹل کی طرف اقدام کیا تو قبیلہ علی خیل نے جرنیل موصوف کی امداد کی اور قبیلہ ستی خیل بھی انگریزوں کے خلاف شریک جنگ نظر آنے لگا۔ البتہ اس موقعہ پر انگریزوں کو دوسرے اورکزئی قبائل کے خلاف شکایت پیدا نہ ہوئی تو ان کے مواجب کی رقومات میں اضافہ کر دیا گیا۔ اس طرح رابعہ خیل، اخیل، بیزوتی، اتمان خیل فیروز خیل، برخیل، منی خیل، سپاہ، ستوری خیل، علی خیل، ملا خیل

مشتی اور شیخان کو مواجب کی رقم دو گنی ملنے لگی۔

پھر جب عجب خان اور مس ایلس کے قضیہ میں قبائل سے اقرار لئے جانے لگے کہ وہ عجب خان کو اپنے علاقوں میں مقیم نہ ہونے دیں گے۔ تو ۱۹۲۳ء میں اورک زئیوں نے بھی انگریز کو ایسا ہی یقین دلا دیا۔

شیعہ سنی اختلافات

انگریز کی نفاق پرور پالیسی ابتدا ہی سے کار فرما رہی، اور اس پالیسی سے اس نے خوب فائدہ اٹھایا۔ ایک قبیلہ کو دوسرے قبیلہ کے خلاف اور ایک با اثر شخص کے خلاف دوسرے با اثر شخص کو نبرد آزما کیا جاتا رہا۔ اور اس طرح انگریز اپنی مطلب برآری کرتا رہا۔ مسلمانوں میں اس اسلامی حکم کے باوجود کہ سب آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ فرقہ بندی کے جھگڑے شروع ہوتے۔ مذہب کے نام پہ خونریزی بھی ہوتی رہی اور بندگان اغراض نے ان فرقہ وارانہ مسائل کو وقتاً فوقتاً ہوا دیکر اپنے مقاصد پورے کئے۔ قبائلی علاقہ کی کثرت آبادی حنفی العقائد مسلمانوں پر مشتمل ہے۔ لیکن ایک حصہ میں شیعہ خیالات کے لوگ بھی آباد ہیں۔ مذہبی جھگڑے تو یوں ہی چل رہے تھے۔ دونوں فرقوں نے ایک دوسرے کو کسی وقت اچھی نظر سے نہ دیکھا تو انگریز نے بھی حالات سے فائدہ اٹھایا، اس نے بھی ان اختلافات کو ہوا دی۔ اور ان ہی مذہبی اختلافات سے فائدہ اٹھا کر اس نے علاقہ کرم میں شیعہ سنی جھگڑے کی آڑ لیکر اپنی گرفت کو مستقل و پائیدار بنانے کی کوشش کی۔

۱؎ اس کی مفصل روئیداد اسی کتاب میں کسی جگہ درج ہے۔

نہ ہوئی کہ جس سے ان کو وخیالات کے پیرو مستقلاً آپس میں مل جل کر زندگی بسر کر سکتے
مختصر یہ کہ شیعہ سنی کش مکش نے ایک دائمی دشمنی کی شکل اختیار کرلی تھی تا آنکہ ۱۹۲۲ء
میں ان اختلافات نے مکمل جنگ کی شکل اختیار کرلی، انگریز طرفین کو طفل تسلیاں دیتا
رہا اور اختلافات بڑھتے رہے، یہ آگ سلگتی رہی تو ۱۹۲۷ء میں وادی مستورہ
کی شیعہ آبادی کو مار باہر نکال دیا گیا۔ اب انگریز کو کھلم کھلا مداخلت کا موقع مل گیا۔
چنانچہ اس نے ۱۹۲۸ء میں اعلان کردیا کہ جس علاقہ سے شیعوں کو نکالا گیا تھا، وہ انگریز
کے زیر اقتدار تھا اور یہ کہ شیعوں کی حفاظت کی ذمہ داری انگریز کی ذمہ داری تھی۔
اس طرح شیعوں کو ممنون احسان کرتے ہوئے پھر دونوں قبائل میں ۲۰ مارچ ۱۹۳۰ء
کو اس شرط پر سمجھوتہ کرادیا کہ جن علاقوں میں شیعہ ۱۹۲۷ء میں آباد تھے وہ ان علاقو
میں بدستور آباد رہیں۔ اس طرح امن قائم ہوگیا، اورک زئی خاموش ہو گئے۔
اور اس کے بعد کسی ہنگامہ آرائی کی اطلاع نہ ملی۔

۲۵ اگست ۱۹۳۶ء کو برخیل اور بنی خیل قبیلہ نے ایک عہد نامہ کے ذریعہ
سلیمان خیل ٹرک کے اس حصہ کی حفاظت اپنے ذمہ لے لی جو ان کے علاقہ سے
گذرتی تھی

شجرہ نسب قبیلہ اورک زئی[1]

قیس عبدالرشید

بتان — غرغشت — سرابن

کرلانڑے

کودے — کاکے

ہنگل — ورک — حنی — نلارک — اورک زئی
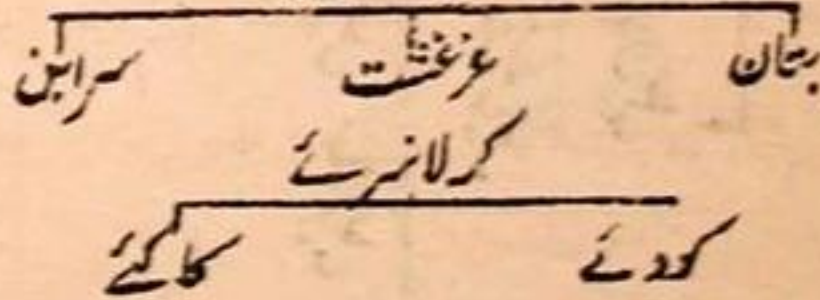
ابتداء ہی سے اس قبیلہ کی قسمت دوسرے آفریدی قبائل سے وابستہ رہی

[1] دیکھو تاریخ آزاد پٹھان جلد اول شجرہ دوم شجرہ نسب صفحہ ۱۲۵

اور جب خیبر کے افریدیوں نے نادر شاہ کے لئے درۂ خیبر کا راستہ بند کر دیا تھا تو اسی قبیلہ اورک زئی کے ایک ملک دسردار نے رہنمائی کرتے ہوئے اسے تیراہ اور چورہ کے راستہ سے پشاور پہنچنے میں رہنمائی کی تھی۔

قبیلہ اورک زئی

- ماسوزی
- لشکرزئی
- علی زئی یا ستوری خیل
- محمد خیل
  - برمحمد خیل
    - میراج خیل
    - الہ داد خیل
    - خدئیداد خیل
    - سعید خیل
  - منی خیل
  - سپاہ یا سپایا
  - عبدالعزیز خیل
    - ازبر خیل
    - قدم خیل
    - بیول خیل
    - درویش خیل
- دولت زئی
  - بیزوتی
  - رابعہ خیل
  - اتمان خیل
- اسمعیل زی

احمد خیل

- احمد خیل
- مست علی خیل
- میرداد خیل
- زکریا خیل
- سبزی خیل
- سالار خیل
- بدا خیل

ہمسایہ

شتی ، ملا خیل ، شیخان ، علی خیل

ہمسایہ سے مراد ایسے قبائل ہیں جو کسی دوسرے قبیلہ کی حفاظت میں زندگی بسر کر رہے ہیں۔

بنگش

بنگش

بنگش اس مختصر سے قبیلہ کا ایک حصہ کرم ایجنسی میں آباد ہے تو دوسرا حصہ ضلع کوہاٹ کے مقبوضہ علاقہ میں دکھائی دیتا ہے۔ ان کا صرف ایک ذیلی قبیلہ بلند خیل[1] ہی ہے جو حقیقتاً قبائلی علاقے میں ڈیرے ڈالے ہوئے ہے اس قبیلہ کی اصلیت کے متعلق وثوق سے کچھ لکھا نہیں جا سکتا: ویسے قد و قامت، رسم و رواج اور دوسرے ایسے ہی امور کے پیش نظر وہ پٹھانوں سے جدا نہیں دکھائی دیتا۔ لیکن قبیلہ کے بعض افراد اپنے آپ کو سید کہلانا پسند کرتے ہیں اور اگر ان کے اس دعوے کو تسلیم کر لیا جائے تو پھر ان کا سلسلۂ نسب پٹھانوں کے بجائے قریش سے جا ملتا ہے، بہر حال کثرت آرار انھیں پٹھانوں میں ہی شمار کرتی ہے۔

---

[1] سیاسی حیثیت سے قبیلہ بلند خیل اتمان زئی وزیریوں کی شاخ کابل خیل سے متعلق ہے۔ مارچ ۱۹۲۶ء میں جب وزیریوں نے قبیلہ اتمان زئی سے معاہدہ کیا تو اس میں بلند خیل کو بھی ۲۵۰۰ روپے سالانہ مواجب ملا۔

ڈاکٹر بیلو بنگش کو ترکی النسل ظاہر کرتے ہوئے بتاتا ہے کہ وہ سلطان سبکتگین کے ساتھ ۱۵۰۱ء میں اور تیمور کے ساتھ سولھویں صدی میں اس طرف آئے اور پھر یہیں مقیم ہو گئے۔

گر اور سپل

لیکن کثرتِ آبادی اپنے آپ کو قیس عبدالرشید کی اولاد ظاہر کرتی ہے ایک روایت سے پتہ چلتا ہے کہ اس قبیلہ کے جداول کے "گر اور سپل" نامی دو لڑکے تھے۔ لیکن دونوں میں انتہائی درجہ کی مخالفت اور دشمنی کارفرما تھی۔ جس پر انھیں "بنگش" یا جڑ اکھاڑنے والا (برباد کنندہ) کے نام سے پکارا جانے لگا جو بعد میں بگڑ کر بنگش بن گیا۔ بہر حال ان دونوں لڑکوں نے ایسی سیاسی حیثیت حاصل کر لی تھی کہ تمام قبائل، دو گروہوں میں تقسیم ہو گئے۔ ایک گرے اور دوسرے سپل کہلانے لگے اور اگرچہ بعد میں چل کر اس سیاسی جانب داری نے اپنی اہمیت ترک کر دی تھی۔ تاہم قبائل بطریق ذیل تقسیم دکھائی دیتے ہیں۔

سپل:۔ نصف اورک زئی۔ نصف بنگش۔ مہمند۔ ملک دین خیل سپاہ۔ قمرے ازخہ خیل۔ اکہ خیل۔ آدم خیل۔

گر:۔ نصف اورک زئی۔ نصف بنگش۔ خلیل۔ کو خیل۔ تمر خیل

گر کی اولاد پھر دو ذیلی قبائل میں تقسیم ہوئی (۱)۔ میران زئی (۲) بیزئی ... بیزئے وادی کوہاٹ میں آباد ہیں۔ جبکہ میران زئی ان کے مغرب کی طرف قیام پذیر ہیں اور وہ علاقہ اس قبیلہ کے نام سے ہی "میران زئی" کہلاتا ہے۔ سپل کی اولاد سپلزئی کوہاٹ کے شمالی علاقہ میں قابض ہیں اور اورک زئیوں کی پہاڑیوں کی حد پر شوزان تک نظر آتے ہیں

۱؎ پنجاب کاسٹس۔ اچ ایبٹ سن

درہ کوہاٹ کے اعلیٰ نظامی آفیسر

ابتدائی اوراق میں "نظم و نسق" کے زیر عنوان ظاہر کیا تھا کہ درہ کوہاٹ کے ایک طرف کا کچھ علاقہ یا قبائل ڈپٹی کمشنر پشاور کے زیر نظام ہیں تو دوسری طرف کے قبائل کا تعلق ڈپٹی کمشنر کوہاٹ سے ہے۔ ذیل میں ان ڈپٹی کمشنروں کے نام درج کئے جاتے ہیں جو قیام پاکستان سے اس وقت تک ان دونوں اضلاع میں فرائض سر انجام دیتے رہے ہیں:۔

ڈپٹی کمشنران پشاور

(۱) میجر اے ایس بی شاہ۔ ۱۵؍اگست ۱۹۴۷ء سے ۳۱؍اگست ۱۹۴۷ء

(۲) خان بہادر حاجی احمد علی جان۔ یکم ستمبر ۱۹۴۷ء سے ۶؍جون ۱۹۴۸ء

(۳) خان بہادر ہدایت اللہ خان۔ ۷؍جون ۱۹۴۸ء سے ۲؍نومبر ۱۹۴۹ء

(۴) میجر الہ داد خان۔ ۳؍نومبر ۱۹۴۸ء سے ۱۸؍دسمبر ۱۹۴۹ء

(۵) خانصاحب عطاء اللہ جان خان۔ ۱۹؍دسمبر ۱۹۴۹ء سے ۱۸؍جنوری ۱۹۵۰ء

(۶) میجر الہ داد خان۔ ۱۹؍جنوری ۱۹۵۰ء سے ۱۲؍اگست ۱۹۵۰ء

(۷) خان صاحب شیر افضل خان۔ ۱۲؍اگست ۱۹۵۰ء سے ۱۱؍جولائی ۱۹۵۲ء

(۸) خانصاحب عبد الرشید خان۔ ۲۴؍جولائی ۱۹۵۲ء سے ۱۹؍مارچ ۱۹۵۵ء

(۹) خانصاحب عطاء اللہ جان خان۔ ۲۰؍مارچ ۱۹۵۵ء سے ۱۳؍اکتوبر ۱۹۵۵ء

(۱۰) خان صاحب عبدالرشید خان ۱۴ر اکتوبر ۱۹۵۵ء سے ۹ر نومبر ۱۹۵۶ء

(۱۱) سید فرید اللہ شاہ ۱۰ر نومبر ۱۹۵۶ء سے فروری ۱۹۵۹ء

(۱۲) ردئیداد خان (موجود)

ڈپٹی کمشنران کوہاٹ

(۱) خان بہادر نواب محبوب علی خان (مرحوم)

(۲) میجر راجہ الہ داد خان۔

(۳) خان محمد اسلم خان۔

(۴) خان بہادر ہدایت اللہ خان۔

(۵) مسٹر محمد مسعود۔

(۶) خان سعد اللہ خان

(۷) خان بہادر ہدایت اللہ خان۔

(۸) محمد جان خان۔

(۹) سید فرید اللہ شاہ۔ (موجود ۱۹۵۹)

اشاریہ

الف

ب

اشاریہ (۲)

اشاریہ (۲)

سرداران قبائل جنہوں نے انگریز سے معاہدوں پر دستخط کئے۔

تاریخ
آزاد پٹھان

جلد اول

(مولفہ)

اللہ بخش یوسفی

سابق سکریٹری آل انڈیا خلافت کمیٹی۔ بمبئی

(پیش لفظ)

مسٹر جسٹس شیخ محمد شفیع

سینیئر جج۔ ہائی کورٹ۔ مغربی پاکستان پشاور بنچ

محمد علی ایجوکیشنل سوسائٹی۔ کراچی اقبال کالونی

(طبع ثانی) (قیمت للعہ)

عرضِ حالِ طبعِ ثانی

تاریخ آزاد پٹھان جلد اول کے پہلے ایڈیشن کو تاریخ افاغنہ سے دلچسپی لینے والے حضرات نے جس محبت و خلوص سے شرف قبولیت بخشا۔ اس کا اندازہ اس سے کیا جاسکتا ہے کہ۔۔ عزت مآب جنرل ایوب خان کمانڈر انچیف افواج پاکستان (حال صدر مملکت) نے اسے "بہت ہی دلچسپ" قرار دیا۔ تو میجر جنرل احیاالدین نے امریکہ میں مقیم ہوتے ہوئے مطالعہ کے بعد ہمیں بالتفصیل اپنی رائے سے نوازا۔ ان کے ساتھ ملت افاغنہ کے قابل فخر فرزند مولانا عبدالقادر ایم اے ڈائرکٹر پشتو اکیڈمی نے اسے "ایک کارنامہ" سے تعبیر کیا۔ تو مشہور پٹھان مورخ سید اغا شنواری نے اسے "نایاب مجموعہ" بتایا۔ سید فرید اللہ شاہ۔۔ پولٹیکل ایجنٹ خیبر ایجنسی نے پسندیدہ نگاہوں سے دیکھتے ہوئے لکھا کہ کتاب کو دیکھ کر سرداران قبائل کے "چہرے چمک اٹھے تھے" تو دوسرے احباب و اخبارات نے بھی ہمت افزا تنقید کی۔ مزید براں آنریبل مسٹر جسٹس شیخ محمد شفیع نے ناقدانہ انداز میں "پیش لفظ" لکھ کر کتاب کی افادیت میں اضافہ کرتے ہوئے ہمیں زیر بار احسان کیا۔

دوسری جلد کی اشاعت کا بندوبست کیا جارہا تھا کہ بعض احباب کے اصرار پر کہ جنہیں پہلی جلد دستیاب نہ ہو رہی تھی۔ یہی فیصلہ کرنا پڑا کہ جلد اول کو محدود تعداد میں دوبارہ شائع کر دیا جائے۔ سو قدرے رد و بدل کے بعد حاضر خدمت کی جارہی ہے۔ اس میں تصاویر کا اضافہ بھی کیا گیا ہے۔ اور پچاس سے زائد صفحات بھی بڑھا دیئے گئے ہیں۔ توقع ہے کہ اسے بھی وہی شرف قبولیت حاصل ہوگا۔ جو نقش اول کو ہو چکا تھا ـــ کوشش کی جارہی ہے کہ تاریخ آزاد پٹھان کی "دوسری جلد" بھی جلد از جلد شائع کر دی جائے۔ اس سے دلچسپی رکھنے والے احباب اگر اپنے اسمائے گرامی لکھ کر بھیجیں تو اشاعت پر انھیں بروقت مطلع کر دیا جائے گا۔

ناشرین

تاریخ آزاد پٹھان

جلد اوّل ۳۱۲ صفحوں پر مشتمل ہے علاوہ ازیں

آرٹ پیپر پر ۱۹ تصاویر بھی شامل ہیں اور

خوبصورت گرد پوش

کتاب کی زینت کو اور بھی بڑھا رہا ہے!

کتاب مشہور کتب فروشوں سے دستیاب ہو سکتی ہے یا بطریق ذیل حاصل کیجا سکتی ہے

(۱) دس روپے بذریعہ منی آرڈر روانہ فرما کر محمد علی ایجوکیشنل سوسائٹی نمبر ۶۶ کراچی ۵ کے معاون بن جائیے۔ سال بھر میں سوسائٹی کی طرف سے چھپنے والی تمام مطبوعات مفت بذریعہ رجسٹرڈ پوسٹ حاضر خدمت کی جاتی رہیں گی۔

(۲) چار روپے بذریعہ منی آرڈر روانہ کردیں تو تاریخ آزاد پٹھان جلد اول کی ایک جلد بذریعہ رجسٹرڈ ڈاک روانہ کردی جائے گی۔

(۳) اگر بذریعہ وی پی طلب کرنا چاہیں تو اطلاع ملنے پر کتاب ارسال خدمت ہوگی اور آپ صرف چار روپے آٹھ آنے ڈاکیہ کو دیکر کتاب حاصل کرسکیں گے۔

مندرجات

فہرست تصاویر

دیگر مطبوعات

از اللہ بخش یوسفی

مختصر تاریخ کشمیر پیش لفظ، میاں جعفر شاہ، سابق وزیر حکومت مرکزیہ پاکستان عہ/

روح عصر از اختر انصاری عہ/

منشورات قائد اعظم۔ شیخ محمد یوسف بی، اے (مطبوعہ بمبئی) عٓ/

مشاہدات و واردات۔ از عبد الرحمٰن خاں ۓ/

سائنس اور اسلام ترجمہ از مولانا سید اسحاق علی حسب الارشاد حضرت مولانا اشرف علی تھانوی ۓ/

حیوٰۃ المسلمین۔ حکیم الامت حضرت مولٰنا شاہ محمد اشرف علی تھانوی للعہ/

اسلام اور عقلیات جلد اول " " ے/

اسلام اور عقلیات جلد دوم " " للعہ/

(محصول ڈاک معاف)

ملنے کا پتہ محمد علی ایجوکیشنل سوسائٹی ٹین ہٹی کراچی

چند آراء

جنرل محمد ایوب خان صدر پاکستان نے کتاب کو پسندیدگی کی نظر سے دیکھتے ہوئے مؤلف کتاب کو نقد عطیہ سے نوازا

(کتاب تاریخ آزاد پٹھان کو) میں نے بہت ہی دلچسپ پایا
* جنرل محمد موسیٰ خاں * لفٹیننٹ جنرل محمد اعظم خاں * میجر جنرل میاں حیاء الدین

مولانا عبدالقادر ایچ، اے۔ ایم، اے۔ بی ٹی۔ ایل ایل بی۔ ڈائرکٹر پشتو اکیڈمی پشاور یونیورسٹی
(قبائلی علاقہ کے متعلق) میری نظر سے کوئی ایسی تحریر نہیں گذری ..... تاریخ کو نہایت خوبصورتی اور اختصار سے پیش کیا گیا ہے۔ قبائلی علاقہ، تاریخ افغانستان اور ہند میں ایسا گھل مل چکا ہے کہ اسے جدا کر دکھانا بہت ہی دشوار نظر آتا ہے یہ کام آپ نے کر دکھایا۔ اور میں تو اسے ایک کارنامہ سمجھتا ہوں۔

سید فرید اللہ شاہ۔ پولیٹیکل ایجنٹ خیبر ایجنسی: آج تک ان قبائل کو خونخوار، ظالم، قاتل اور رہزن

کے نام سے پکارا جاتا تھا۔ آپ نے جس رنگ میں پیش کیا ہے اس کا جتنا بھی شکریہ ادا کیا جائے کم ہوگا۔۔۔
کتاب کو دیکھ کر سرداران قبائل کے چہرے چمک اٹھے تھے۔

ملک سید اخان شنواری (رئیس و مصنف خیبر ایجنسی)۔۔۔۔ سیاسی اور تاریخی واقعات کا مستند اور مسلسل خلاصہ ہے۔۔۔۔۔۔ یہ مسئلہ کہ افغان یا پٹھان کون ہیں ہمیشہ متنازعہ رہا۔ اس سلسلہ میں آپ کی پیش کردہ تشریح ہر تشنۂ ذوق علمی کے لئے قابل تسکین ہوگی۔۔۔۔۔ واقعات کا یہ خاکہ اس تصنیف کے علاوہ میسر آنا مشکل ہے۔

سید عبداللطیف شاہ (پیر صاحب زکوری شریف) تاریخ آزاد پٹھان نہایت دلچسپ، بے نظیر اور حقائق پر مبنی ہے۔

میاں جعفر شاہ (سابق وزیر حکومت مرکزیہ پاکستان)۔۔ پہلی بار آزاد قبائل کی تاریخ لکھ کر آپ نے پوری ملت پر احسان کیا ہے۔ ایسی کوئی کتاب اس سے قبل میری نظر سے نہیں گذری۔ پچاس کتابیں میرے نام روانہ کردیں۔

بخت افسر خاں۔ (حاکم علاقہ طوطالی (ریاست سوات) آپ نے پٹھانوں کے متعلق جن امور کا ذکر کیا وہ موزوں، صحیح اور قابل قدر ہیں۔ آپ پر پٹھان جس قدر فخر کریں، کم ہے۔

مولانا محمد اسرائیل۔ (پشتو اکیڈمی پشاور یونیورسٹی) اس موضوع پر ایسی مکمل اور صحیح کتاب ابتک فارسی اردو اور پشتو میں نہیں لکھی گئی۔

قاضی محمد عیسیٰ خاں (سابق سفیر پاکستان در برازیل) میں اس جرأت انگیز مساعی پر دلی مبارکباد پیش کرتا ہوں

سردار محمد بہرام خاں (سابق وزیر اعظم ریاست چترال) تاریخ آزاد پٹھان آپ کی محنت اور قابلیت کا بہترین ثمرہ ہے۔ بلاشبہ یہ پٹھانوں اور پاکستان کی ایک قابل قدر خدمت ہے۔

ملک الرحمٰن خاں کیانی (سابق وزیر حکومت مرکزیہ پاکستان) جوں جوں پڑھتا گیا دلچسپی بڑھتی گئی۔

خان شبیر خاں (حاکم ڈگر علاقہ بونیر ریاست سوات) قابل داد معلومات کا مجموعہ ہے۔

فضل حق خاں شیدا (ڈپٹی سکریٹری پبلسٹی پشاور) آپکی تصنیف واقعی اپنی قسم کی پہلی کتاب ہے۔ وغیرہ وغیرہ

تبصرے

ڈان۔ کراچی: جنرل محمد ایوب خان صدر پاکستان نے تاریخ آزاد پٹھان کو بہت ہی دلچسپ قرار دیا ہے مشہور خلافتی کارکن اللہ بخش یوسفی نے تاریخ افاغنہ کے بکھرے ہوئے اجزاء کو یکجا کردیا ہے۔ اس میں وہ تفصیلات درج ہیں جو مشکل ہی سے کسی دوسری جگہ دستیاب ہو سکتی ہیں۔ مصنف نے فرضی قصوں اور خیالی کہانیوں کی بجائے حقائق و واقعات کو اپنی زوردار طرز تحریر سے بیان کردیا ہے۔

لیل و نہار لاہور: یہ امر افسوسناک ہے کہ ان غیور اور باہمت قبائل کے بارے میں ہمدردانہ نقطۂ نظر سے کوئی محکم تاریخی دستاویز جس کی توقع ہم وطن مورخوں سے بجا طور پر کی جاسکتی تھی، تیار نہیں کی گئی۔ ...... (بکھرے ہوئے مواد کو) حقائق کی کسوٹی پر پرکھنا اور تاریخی دستاویز کی شکل دینا کسی قدر مشکل کام بھی تھا، یہی وجہ ہے کہ ابھی تک کوئی مستند تاریخ تیار نہیں کی گئی۔ مسٹر یوسفی نے زیر نظر تالیف میں اس مشکل کو آسان کیا ہے۔

ہمدم کوہاٹ: اسے آزاد قبائل کی پہلی مستند تاریخ کہنا بے جا نہ ہوگا۔ یہ تاریخ کی اور پاکستان کی ایک قابل فخر خدمت ہے۔

جمہوریت پشاور: حقائق کو جس خوبصورت انداز سے یوسفی صاحب نے ادا کیا ہے وہ انہیں کا حصہ ہے تاریخی حقائق کو نہایت محنت اور قابلیت سے بیان کیا ہے۔

شہباز پشاور: انگریزوں کی چیرہ دستیوں، چالبازیوں اور پٹھانوں کے جذبہ اور جوش جہاد کا بالتفصیل ذکر کیا ہے۔

تنویر پشاور: صوبہ سرحد اور قبائلی علاقہ سے متعلق نہایت ہی دلچسپ اور دلآویز حقائق جمع کیے ہیں۔

ترجمان سرحد پشاور: یوسفی صاحب نے ان کے تمدن، معاشرت، روایات اور ان کی حریت پسندانہ زندگی کے متعلق تفصیلات جمع کر کے ایک ایسا قدم اٹھایا ہے جو قابل قدر بھی ہے اور ناقابل فراموش بھی

ہمارا پاکستان (شاہدرہ) نہایت مفید اور سودمند معلومات سے لبریز ہے۔ اور اس موضوع پر اپنی قسم کی پہلی کتاب ہے۔

طلوع اسلام (کراچی) پٹھانوں کی شجاعت و مردانگی اور انگریزوں سے ان کی جنگ وغیرہ کی داستانوں کو بڑے دلنشیں انداز میں لکھا ہے۔

طلوع اسلام (لاہور) کتاب دلچسپ بھی ہے اور پُر از معلومات بھی۔۔۔۔اس میں دوسروں کو تو ایک طرف شاید پٹھانوں کو بھی اپنے متعلق ایسی باتیں ملیں گی جو ان کی معلومات میں اضافہ کریںگی۔

سیفؔ (لاہور) یہ دورِ حاضر میں اپنی نوعیت کی پہلی کوشش ہے۔ اور اس لحاظ سے بے حد قابل داد ہے۔ جناب یوسفی نے قوم پر بڑا احسان کیا ہے۔ جس کے لئے ہم ان کے بے حد ممنون ہیں۔

محمد علی ایجوکیشنل سوسائٹی، تین ہٹی کراچی ۵

JAUHAR PUBLICATIONS

The Man Behind

The War of Independence

1857

by S. LUTFULLAH M. A.

Foreword :- Prof. A. B. A. HALEEM

Al-Amin

by M. A. PICKTHALL

A. B. YUSUFI

تاریخ آزاد پٹھان جلد اول

مولفہ الہ بخش یوسفی

پیش لفظ مسٹر جسٹس شیخ محمد شفیع

زیر تیاری

کلام جوہر

سوانح مولانا محمد علی جوہر (انگریزی)

تاریخ آزاد پٹھان جلد سوئم

تاریخ بلوچستان جلد اول

سید جمال لدین افغانی

پہلا مسلم سائنس دان